McGill University Library
3 103 258 727 0
ISLAMIC
HD875
I57
1903

MG4 .I594z
INSTITUTE
OF
ISLAMIC
STUDIES
38867 ★
McGILL
UNIVERSITY

Inshā' Allah, Muhammad

زمینداروں کے افلاس

Zamindaron ki aflas ki asbab

کے

اسباب

اور

مسئلہ مالگذاری پر وطن و سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور کا

مباحثہ

از

مولوی محمد انشاء اللہ زمیندار موضع انعام آباد وچھاوڑ

ضلع گوجرانوالہ

مالک و ایڈیٹر اخبار وطن لاہور

جمیعتہ پریس لاہور میں چھپی

۱۳۲۱ھ ۶ ستمبر ۱۹۰۳

قیمت ۱۸

کتب خانہ انجمن ترقی اردو دہلی

MG4
I 5942

عرضِ حال

زمینداران ہندوستان کی نکبت افلاس کا مسئلہ مدتوں سے زیر بحث چلا آتا ہے اور یہ ایک ایسا سوال ہے جس کی اہمیت سے گورنمنٹ بھی منکر نہیں۔ گو گورنمنٹ کو نفس افلاس کی موجودگی سے انکار ہے۔ لیکن اسکے اسباب پر اس ملک کے اہل الرائے گورنمنٹ کے عہدہ داروں سے کبھی متفق نہیں ہوئے اور مسٹر مان ٹیتھ سابق چیف سکرٹری و حال ممبر اگزیکٹو کونسل بمبئی کی ایک انوکھی دریافت نے نہ صرف اس اختلاف کو ہی بڑھا دیا ہے بلکہ بحث کی نوعیت کو بھی ایک طرح سے بدل دیا ہے پہلے سرکاری ملازم افلاس کا ذمہ وار خود زمیندار کے اسراف۔ ناعاقبت اندیشی اور شوق مقدمہ بازی وغیرہ وغیرہ کو قرار دیتے تھے اور غیر سرکاری محبانِ ملک سرکاری جمع کی سنگینی اور اس کی وصولی کے قواعد کی سختی کو۔ مسٹر ممدوح نے اپنی دریافت سے سرکاری پالیسی کے تمام حامیوں کے کان کتر دئے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ جمع کی سنگینی نہیں۔ بلکہ اس کی ہلکی زمیندار کی تباہی کا موجب ہے اور معزز انگریزی اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ اس کا حامی ہے۔ وطن ایسی تھیوری کو جو زمینداروں کے حق میں سم قاتل سے کم نہیں۔ رد کئے بغیر کب رہ سکتا تھا اس نے فوراً اس کی تردید کی۔ ہمعصر سول نے تردید کو توڑنے کی کوشش کی اور ایک طویل آرٹیکل وطن کے جواب میں لکھا۔ اسکے جواب الجواب میں ایک طویل مضمون وطن کے نمبروں میں شایع کیا گیا۔ جسکے جواب کا وطن ابتک منتظر ہے مگر امید نہیں کہ کسی مخالف کو اس کا رد لکھنے کی جرات پڑے اور گو جیسا کہ لارڈ کرزن کے فیصلہ سے ظاہر ہو گیا ہے۔ سرکار اپنی موجودہ پالیسی میں غالباً کبھی ترمیم نہیں کریگی۔ لیکن کامل یقین ہے کہ وطن کی اس تحریر کے بعد وہ مسٹر مان ٹیتھ کے دعوٰی کی کبھی تائید اعداد کے مطابق کار فرما نہیں ہوگی اور بحالات موجودہ یہ بھی بسا غنیمت ہوگا۔ اسی مباحثہ کو مع چند ضمیمہ جات کے اب اکثر زمیندار کرم فرماؤں کے اصرار پر بصورت رسالہ شایع کیا جاتا ہے۔ تاکہ زمیندار بھائی اسے پڑھیں اوروں کو سنائیں اور اپنے اغراض و مقاصد کی حفاظت کرنا سیکھیں ۔

(بندہ محمد انشاء اللہ)

27/11/68

ڈیڈیکیشن

نیاز مند مولف اس رسالہ کو اپنے صوبہ
کے معزز زمیندار اور محکمۂ مال و بندوبست
کے تجربہ کار افسر خان بہادر منشی غلام احمد خان صاحب
مشیر مال ریاست جموں و کشمیر کے نام نامی سے
معنون کرتا ہے ❊

گر قبول افتد زہے عز و شرف

38867

اخبار

وطن

عام اخباری اغراض و مقاصد کے علاوہ اسلامی ملکی ۔ فوجی ۔ زراعتی ۔ تجارتی ۔ تعلیمی ۔ اخلاقی و تمدنی معاملات پر بحث کرنیوالا ہندوستان کا واحد اردو ہفتہ وار اخبار ۔ جو ہر جمعہ کے دن دفتر حمیدیہ ایجنسی و پریس لاہور سے شایع ہوتا ہے ✤

شرح قیمت

	سالانہ	ششماہی
خریداران ممالک بیروں سے	١٠ شلنگ	٦ شلنگ
والیان ریاست سے	صہ	سہ
امراء و جاگیرداران سے	عہ	ہے/
رؤسا و عہدہ داران سے	سے	للعہ/
دیگر معاونین سے	للعہ	؎/
کم استطاعت طلبا سے	سے/	؎

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلۂ مالگذاری

عجیب دریافت

ناظرین کو معلوم ہے کہ مسٹر رومیش چندر دت سابق کمشنر اور اُنکے بعض دیگر ہمخیال محبان ملک چند مہینون سے اخبارات وغیرہ مین اس مضمون کی تحریرین شائع کر رہے ہین کہ زمینداروں کے افلاس کی بڑی وجہ سرکاری معاملہ کی سنگینی اور روزافزون زیادتی ہے - اور زیادہ تر یہی سنگینی اُن کو ساہوکارون کے پنجہ مین پھنسانیکا باعث ہوتی ہے - جو لوگ ملک اور خاصکر زمیندارون کے حالات سے بخوبی واقف ہین - اُن کو یہ ماننے سے کبھی انکار نہین ہوسکتا - کہ یہ دلیل محض بے بنیاد نہین - وہ صرف یہ ترمیم کرینگے - کہ یہ سنگینی زمیندارون کی قلاشی اور اُن کی اراضیات کے انتقال کی بڑی وجہ نہین بلکہ بڑے اسباب مین سے ایک سبب ہے - یعنی اسکے دوش بدوش اور کم از کم اُسکے برابر تاثیر رکھنیوالے اور اسباب بھی ہین - لیکن ان اسباب مین سے بھی اکثر کی موجودگی کی ذمہ دار گورنمنٹ یا اُسکے قوانین وضوابط پائے جائینگے - پہلے سارا الزام زمیندارون کے سر تھوپا جاتا تھا - اور اکثر حکام کی رائے بھی کہ زمیندار زیادہ تر شادی بیاہ وغیرہ قسم کی تقریبون پر اندھا دھند روپیہ خرچ کرنیسے گرفتار مصائب ہوتے ہین - مگر تجربہ و مشاہدہ نے اُن پر ثابت کر دیا ہے کہ اسراف سے تباہ ہونیوالے بہت کم ہین - اعداد خود بھی حاکم اور نیز انگریزی اخبارات اسے تسلیم کر رہے ہین کہ بیاہ شادی کی تقریبون کے علاوہ مقدمہ بازی کے مصارف اور ماتحت اہلکارون کو رشوتین دینے کیلئے بھی زمیندارون کو روپیہ کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ اخراجات اُن کیلئے ناگزیر ہین - اگر اہلکارون کو رشوتین اور تحائف نہ ملین تو وہ اُن کی زندگی کو وبال جان بنا دین " یعنی سرکاری معاملہ اور خوراک ولباس و مصارف زراعت کے علاوہ زمیندارونکے تین قسم کے اور مصارف بتائے گئے ہین - جنمین سے صرف ایک قسم کے وہ درحقیقت خود ذمہ دار

ہین۔ باقی وو نون اُن کو اضطراراً نہ کہ بطوع و رغبت برداشت کرنے پڑتے ہین۔ مقدمہ بازی اگر زمیندارون مین بڑھ رہی ہے۔ تو زیادہ تر جدید قوانین وضوابط کی طفیل۔ پہلے بھی یہی زمیندار تھے لیکن قدیم زمانہ مین ابکی نسبت اُن کے مقدمات بیسوان حصہ بھی نہ ہوتے تھے۔ اور مزارعون کی بیدخلی کے نوٹس اور نالشون اور ضافہ لگان کی درخواستین وغیرہ بیسیون قسم کی دادرسیون کا کوئی نام ونشان ہی نہ تھا۔ پھر اگر مقدمہ بازی کثیر المضرت امر ہے۔ تو یہ بھی قوانین اسٹامپ وکورٹ فیس و تشخیص قانون پیشہ ومیعاد وغیرہ وغیرہ کی مہربانی سے ہے۔ اور اگر زمیندار رشوت دینے پر مجبور ہوتے ہین تو یہ بھی اولیاء امور کی بے توجہی کا قصور ہے۔

انہی حالات کو دیکھکر اکثر اہل الرائے وقتاً فوقتاً گورنمنٹ سے یہ استدعا کرتے رہتے ہین کہ وہ کم از کم ایک موجب تلاشی زمینی سنگینی معاملہ کو حتی الوسع کمزور کرنے کی طرف توجہ فرمائے۔ مگر ابناء ملک یہ سنکر حیران ہونگے کہ ایک صاحب کی رائے مین انتقال اراضی کا موجب سنگینی معاملہ نہین۔ بلکہ اُسکی نرمی ہے اور وہ یہ سنکر اور زیادہ متعجب ہونگے۔ کہ ایک سربرآوردہ انگریزی اخبار اس رائے سے کامل اتفاق کرتا ہے صاحب ممدوح پرانی کتابون اور انگریزی عہد کی رپورٹون سے اخذ کر کے مختلف اعداد و شمار اس امر کے ثبوت مین پیش کرتے ہین۔ کہ معاملہ زمین کا پرتہ اسوقت اکبر اور اورنگزیب کے زمانہ سے بہت کم ہے۔ اور حالانکہ سرکار خالص پیداوار کے نصف کی اور بقول مسٹر رومیش چندر کل پیداوار کے پانچویں حصہ کی مستحق ہے۔ سرکار معاملہ مین کل پیداوار کا پانچ فیصدی اور معہ جوب ۶ فیصدی لینے پر اکتفا کرتی ہے۔ اور یہی رعایت دراصل زمینداروں کے ہاتھوں سے زمینوں کے نکلتے جانیکی دو بڑی وجوہات مین سے ایک ہے۔ اس نرمی سے کاشتکار اور مالک کو زمانہ ماسبق کی نسبت بہت زیادہ بچت ہوتی ہے۔ اور زمینداری ایک نفع بخش کام ہوگیا ہے۔ یہ نفع بخشی متمولون کو زمین حاصل کرنے کی زبردست ترغیب دیتی رہتی ہے۔ پس اگر گورنمنٹ انتقال اراضی کا موثر علاج کرنا چاہتی ہے۔ تو وہ معاملہ کو اسقدر بڑھا دے کہ زمین کی خریداری مین کوئی نفع نرہجائے۔ اسطرح متمول خود بخود باز آکر اپنے روپیہ کیلئے اور مصرف ڈھونڈ لینگے۔ اور گذشتہ زمانون کی طرح زمین موروثی زمینداروں کے ہی پاس رہیگی۔ اب مالکان اراضی کاشتکارون سے کل پیداوار کی ½ تک بٹائی کر رہے ہین۔ اور اس ۵۰ فیصدی مین سے سرکار کو صرف ۱۰ فیصدی دے رہے ہین تو بھی ساٹھ فیصدی کی خالص بچت آبادی کی روز افزون زیادتی کیساتھ ملکر جسے کاشت کیلئے زمین ضرور چاہئے۔ زمینون کو متمولون کے پاس منتقل کرا رہی ہے۔ ہم صاحب موصوف کے اعداد و شمار اور اندازہ سے کچھ بحث کرنا نہین چاہتے۔ کہ سرکار پیداوار کا صرف ۱۰ فیصدی لیرہی ہے

دیکھنا صرف یہ ہے کہ کیا جو نتیجہ اُنہوں نے نکالا ہے - واقعات اور مشاہدہ سے بھی اُس کی کچھ تصدیق ہوتی ہے یا نہین - یہ معیار اُنکے استدلال اور نتیجہ کو محض غلط اور خلاف واقع ثابت کر رہا ہے - یہ مسلمہ امر ہے کہ بنگال کے دوامی بندوبست رکھنے والے علاقہ مین پنجاب وغیرہ میعادی بندوبست کے طریقہ کے تابع علاقون کی نسبت جہان کے اکثر محالات کا معاملہ ۵۰ برس کے عرصہ مین چوگنا اور پنجگنا ہو گیا ہے - زمین بدرجہا زیادہ نفع اپنے مالکون کو دے رہی ہے - اس نئی دریافت کے مطابق بنگال مین انتقال اراضی پنجاب و بمبئی وغیرہ سے اُسی نسبت سے زیادہ ہونے چاہئیں تھے جس نسبت سے کہ آخر الذکر علاقون مین بنگال کے دوامی بندوبست کی تاریخ سے سرکاری مطالبہ مین اضافہ ہوا ہے -

لیکن اسکے برعکس بنگال مین یہ نسبت اسکے عین معکوس ہے - اسیطرح یہ مسلمہ امر ہے کہ نہری علاقون کی زمین چاہی و بارانی علاقون کی نسبت بہت زیادہ نفع دیتی ہے - لیکن اوّل الذکر مین آخر الذکر کی نسبت دسواں حصہ رقبہ بھی منتقل نہین ہوتا ہے - اس اصول کے مطابق لازم آیا کہ زیادہ نفع دینے والی زمینین نسبتاً زیادہ بکین - لیکن صورت حال اسکے عین برعکس ہے - ساہوکارون کے پاس عموماً ناکارہ زمینین بیچی جاتی ہین - اور گورنمنٹ یا اُسکے باخبر حکام سے یہ امر مخفی نہین -

اسیطرح اس اندازہ کی واقعات سے ہرگز تائید نہین ہوتی کہ "مالکان اراضی کو سرکاری معاملہ مین ۶۰ فیصدی دیکر بالعموم کل پیداوار کا ۵۵ سے ساٹھ فیصدی تک خالص منافع مین ملتا ہے" بالفاظ دیگر اس جدید دریافت کی رو سے مالکون کو بالعموم سرکاری مطالبہ سے سات سے لیکر دس گنا تک خالص بچت ہوتی ہے - لیکن زرخیز سے زرخیز اور گنجان سے گنجان آبادی رکھنیوالے علاقہ مین بھی کیا کوئی ایک بھی ایسا مالک زمین موجود ہے - جسے مسلسل پانچ چھ برس کیلئے اپنے کاشتکارون سے سرکاری مطالبہ سے بالاوسط دوگنا ہی روپیہ کلہم ہر سال وصول ہوتا ہو - یعنی اُسے ۵ دس گنا تو درکنار سرکاری معاملہ نکالکر اُسکے برابر ہی بچت ہوتی ہو - کاغذی حساب و کتاب اور چیز ہے - اور واقعات اور چیز - بعض منطقی دعوے کرتے ہین کہ وہ بروئے دلائل و استدلال گدہے کو انسان اور انسان کو گدہا ثابت کر سکتے ہین - مگر جسطرح پائے استدلالیان چوبین بود - اصلیت مین یہ دلیلین کوئی فرق نہین ڈالسکتین - اسیطرح یہ کاغذی حساب و کتاب جو مکلف ایوانون اور کوٹھیون مین آرام کرسیون پر لیٹے ہوئے مرتب کئے جائین - واقعات کو کسیطرح نہین چھپا سکتے -

اگر اس اندازہ اور قیاس مین کچھہ بھی جان ہوتی - تو گورنمنٹ روز افزون مصارف کیلئے آمدنی کے مزید وسائل سوچنے مین ہرگز اسقدر متردد نہ پائی جاتی - اور نہ وہ اضافہ معاملہ کیلئے اس زرہ کے ظاہر

کئے جانیکی منتظر رہتی۔ مگر وہ اور تمام باخبر اچھی طرح سے جانتے ہین اور بارہا سے تعلیم کر چکے ہین کہ اس صیغہ مین اب کسی زیادتی کی گنجائش نہین رہگئی۔ یہ اعتراف ایسی ہوائی قلعے بنانیوالون کی کافی سے بڑھکر تکذیب و تردید کر رہا ہے۔ اور یقین ہی کہ خود وہی اخبار جواب اُسکی بڑی پر جوشی سے تائید کر رہا ہی۔ جلد اُسکی تردید کرتا دکھائی دیگا جیسکی یہ تائید خود اُسکی کئی پہلی تحریرون کی سخت نقیض ہی۔

اسکی بیان کردہ دوسری وجہ تقسیم در تقسیم بلاشبہ کچھ وقعت رکھتی ہی۔ اور اس مین کوئی کلام نہین کہ جب اس طریقہ کے باعث ورثا کے پاس فرداً فرداً اسقدر زمین نہین رہجاتی کہ وہ اُسکے تردد سے اپنے کنبہ کو پال سکین۔ تو عموماً اُسے بیچکر مالک کی حیثیت سے مزارعہ بنجاتے ہین۔ لیکن یہ طریقہ بھی زمینون کو زمیندارون کے ہاتھ سے نکالکر ہمیشہ متمولون کو ہی نہین دلاتا بلکہ عموماً جدی ورثا۔ یا شریک مالک اِن چھوٹے چھوٹے ٹکڑون کو اپنے رشتہ دارون سے خرید لیتے ہین۔ اور اکثر لواحق اپنے حصہ کی زمین اُن کو کاشتکاری کیلئے دیدیتے ہین۔ متمول بہت کم ایسی اراضیات کو خرید کرتے ہین۔ کیونکہ جب وہ خود کاشت کرنیوالے مالکون کیلئے بھی مکتفی نہین سمجھی جاسکتی۔ تو متمول سمجھ لیتے ہین کہ ہم غیر ہونے سے کاشت کرکر ان چھوٹے چھوٹے قطعات سے کچھ فائدہ نہین اُٹھا سکتے۔ کیونکہ زمینداری کے لازمی دردسر اور مقدمہ بازی کو خواہ نخواہ سہیڑین۔ اس سے ہماری یہ مراد نہین کہ ایسے قطعات کو وہ بالکل ہی نہین خریدتے۔ نہین۔ کچھہ حصہ ایسے انتقالوں کا متمولون اور ساہوکارون کے حق مین بھی جاتا ہے۔ بلکہ جنکے پاس متصل زمینین ہون۔ وہ منہ مانگی قیمت دیکر ان ٹکڑون کو خرید لیتے ہین لیکن ایسا عموماً قصبات اور شہرون کے قرب و جوار کی زمینون مین ہی پایا جاتا ہی۔ دیہات مین ۹۹ فیصدی اس قسم کے انتقال زمیندارون کے ہی حق مین ہوتے ہین۔ پس صاحب ممدوح کی دریافت جدید کا دوسرا حصہ بھی بعض لحاظ سے تقریباً غلط ہی۔ کہ یہ طریقہ بھی متمولون کے حق مین زمینین منتقل کرانیکا باعث ہی۔ اور غالباً یہی وجہ ہی۔ کہ مسٹر تاپن سٹیتھ[۵] اور سول ملٹری گزٹ کو ابتک کوئی تیسرا شخص ان مضحکہ خیز وجوہات کی تائید کرنیوالا نہین ملسکا۔

---

۵ یہ صاحب ۱۹۰۱ء میں بمبئی گورنمنٹ کے چیف سکرٹری تھے۔ آجکل بمبئی کونسل کے ممبر ہیں یہ رائے آپنے اوائل ۱۹۰۱ء میں ظاہر کی تہی۔ اسکی تائید ہمعصر سول ملٹری گزٹ لاہور نے جولائی ۱۹۰۱ء کے ایک پرچہ میں کی۔ جسکا جواب نیاز مند اڈیٹر نے ۲۰ اگست ۱۹۰۱ء کے وطن میں عجیب دریافت کے عنوان سے لکھا اور شائع کیا۔

مسئلہ تشخیص معاملہ اراضی اور معزز ہمعصر سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور

(ماخوذ از وطن لاہور)

اس مسئلہ کے متعلق محترم روزانہ انگریزی ہمعصر کی ایک اور تحریر کے متعلق جو اُسکے پرچہ مورخہ ۲۲ اگست ۱۹۱۰ء مین شائع ہوئی تھی پچھلے ہفتہ مختصر سا ریمارک کرکے آئندہ ہفتہ مین اُسپر مفصل بحث کرنیکا وعدہ کیا گیا تھا۔ لیکن اسی معاملہ کے متعلق تیسرے ہی دن ہمعصر موصوف مین ایک لیڈنگ آرٹیکل شائع ہو جانیسے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اسکی تحریرات کا ترجمہ ابنائے ملک کے سامنے پیش کیا جائے اور پھر جو کچھ وطن اسکی نسبت کہنا چاہتا ہے۔ اُسے گذارش کیا جائے۔

محولہ بالا لیڈنگ آرٹیکل ۲۴ اگست ۱۹۱۰ء کے سول اینڈ ملٹری گزٹ مین شائع ہوا ہے جسمین یہ مقتدر ہمعصر ہمارے اُس لیڈر پر جرح و قدح کرتا ہے۔ جو ۱۲ اگست کے وطن مین بعنوان "عجیب دریافت" چھپا تھا۔ اپنی ۲۵ سالہ عمر مین ہمعصر مذکور اب پہلی مرتبہ انگریزی یا اُردو کسی دیسی اخبار کو یہ عزت بخشتا ہے کہ اُسے مخاطب کرکے اس کی کسی تحریر پر اپنے اڈیٹوریل کالمون مین بحث کرے۔ مگر وطن کی وہ صرف اسیقدر عزت افزائی پر کفائت نہ کرکے اُسکی نسبت آغاز بحث مین چند حوصلہ افزا کلمات خیر کہنے سے بھی دریغ نہین کرتا جن کیلئے وہ اسکا کمال شکر گذار ہے۔ اور اپنے معزز ہمعصر کو یقین دلاتا ہے کہ وہ انشاءاللہ العزیز اُسے کبھی اپنی موجودہ رائے کو بدلنے کا موقعہ نہ دیگا۔ بلکہ کوشش کریگا کہ دیسی اخبارات کے متعلق بالعموم جو عام رائے ہمارے سر برآوردہ اینگلو انڈین معاصرین قائم کر چکے ہین۔ اُسے وہ بہت جلد ترمیم کرنے پر مائل ہو جائین۔ چونکہ یہ معاملہ تمام ملک گورنمنٹ اور بخاصکر ملک کی آبادی کے حصہ کثیر یعنی مالکان اراضی کی فلاح و بہبود اور نفع و نقصان سے تعلق رکھتا ہے اور ابتک کسی اور دیسی اخبار نے اس نئی تھیوری کی طرف جو عمل پذیر ہونے کی صورت مین موجودہ زرعی حالات مین یقیناً انقلاب عظیم پیدا کرنیوالی ہوگی۔ توجہ نہین کی یقین واثق ہے کہ وطن کا اس اہم بحث کیلئے چند مفتوں تک

اپنے کالمون کا معتدبہ حصہ وقف کردینا کسی طرح ہمارے محترم ناظرین کو ناگوار نہ ہوگا۔ ناگوار نہ ہونا درکنار ہمین توقع ہے۔ کہ یہ امر اُنکے لئے بھی خوشی بخشنے والا ہوگا۔ کہ وہ ایک ایسے اخبار کے سرپرست ہین کہ اپنے تمام دیسی معاصرین مین سے صرف اُسنے ایسے اہم معاملہ پر بطرز پسندیدہ و معقولیت کے ساتھ مبصرانہ طور پر آبادی کے اسّی فیصدی حصہ کے حقوق و اغراض کی تائید و حفاظت کیلئے ایک ممتاز انگریزی اخبار کے ساتھ بحث کرنیکا فخر حاصل ہوا ہی۔ اس تمہیدی تحریر مین معزز ہمعصر آبزرور لاہور کے اُس بزرگانہ حسن ظن اور مخلصانہ تائید کا شکریہ ادا نہ کرنا سخت ناشکرگذاری ہوگا۔ جسکے اُسنے اپنے پرچہ مورخہ ۳۱ اگست مین سول اینڈ ملٹری گزٹ کے ایک اعتراض کا جواب دیتے وقت کام لیا ہی۔ آخرالذکر ہمعصر نے اپنے محولہ بالا لیڈر مین ایک جگہ وطن پر واقعات سے بیخبر ہونیکا الزام لگایا ہی۔ لیکن آبزرور اس اعتراض کی خود واقعات مسلمہ سے تردید کرتا ہی۔ تاکہ ناظرین اور بہی خواہان ملک اس بحث کو اچھی طرح ذہن نشین اور اُس پر اپنی راے کامل غور و فکر کے بعد قائم کرسکین۔ اس ہفتہ معزز ہمعصر سول کے لیڈر مورخہ ۳۰ اگست اور ایڈیٹوریل نوٹ مورخہ ۲۸ اگست اور نیز ہمعصر آبزرور کی مختصر جوابی تحریر کا ترجمہ دینے پر اکتفا کرکے اگلے ہفتہ انشاء اللہ العزیز جواب الجواب شروع کیا جائیگا۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

اول الذکر ہمعصر ۳۰ اگست کے لیڈر کو بعنوان "معاملہ اراضی کی تشخیص" بالفاظ ذیل شروع کرتا ہی:-

"ہم نے معاملہ زمین کے نرم ہونے پر جو ریمارک شائع کئے تھے۔ اُنپر لاہور کے ایک اُردو اخبار نے بحث کی ہی۔ اُسکا مضمون ہندوستانی اخبارات کی اکثر تحریرون کے برعکس جن مین محض لفاظی ہی لفاظی ہوتی ہے متین اور مدلل ہی مسٹر ڈگبی سی۔ آئی۔ ای (ممبر پارلیمنٹ) اس تحریر سے سبق حاصل کرین۔ تو غالباً اُنکے حق مین بہت مفید ہو۔ کاش کہ مسٹر ممدوح کے ہم صفیر یہ جانین کہ انسان کسی اور کو رنج پہنچائے بغیر بھی اپنی الگ راے قائم کرسکتا ہی۔ اور کہ واقعات سے بخبر ہونے کیلئے ساتھ ہی معاند ہونا ضروری نہیں۔ لیکن چونکہ اعتدال پسند تحریرین عام چرچا پیدا نہین کرسکتین تو ویڈربرن اور نوروجی وغیرہ اور اُنکے ہمخیال واقعات کے نہین بلکہ شگوفے چھوڑنے اور گل کترنے کی شیدائی ہین۔ اور مسٹر رومیش چندر دت کے ساتھ ملکر ہندوستان کے تحقوق کا جسطرح بن پڑے سرکار کی مالی پالیسی کو ذمہ دار بنانے کی کوشش مین مشغول رہتی ہین۔ چنانچہ ۱۸۹۸ء مین ولایت کے مقام بلومسبری مین یہ ریزولیشن پاس کرنا اسی قبیل کی ایک کوشش تھی کہ "ہندوستان کا موجودہ طرز انتظام برطانوی اصول کے مخالف اور غیر منصفانہ ہی۔ اور ملک کے روزافزون افلاس کا وہی باعث ہی"۔

محولہ بالا اخبار وطن لاہور اپنا مضمون اس (ناستودہ) طرز مین نہین لکھتا۔ وہ اس امر واقع کو پیش

کرتا ہے۔ کہ ہندوستان کے کاشتکارون کا حصہ کثیر سال بسال زیادہ مفلس ہوتا جاتا ہی۔ اور اس امر مین ایک ضروری حد تک مسٹر دت سے اتفاق کرتا ہی۔ کہ یہ افلاس سرکاری معاملہ کی روزافزون سنگینی کا نتیجہ ہی اور اس سنگینی سے مجبور ہو کر کاشتکار ساہوکارون کے پنجہ مین پھنس رہے ہین۔ وہ ان اعداد و شمار اور اس اندازہ پر بحث کرنا نہین چاہتا جنکی بنا پر یہ دکھایا گیا ہی کہ گورنمنٹ سرکاری معاملہ مین پیداوار کا پانچوان حصہ لینے کی بجائے جسکی وہ بقول مسٹر رومیش چندر دت مستحق ہی۔ اس کا صرف چھہ فیصدی (پانچ فیصدی خالصہ اور ایک فیصدی جوب دیہی) لے رہی ہی" وطن ہمارے اس بیان کی بھی تردید نہین کرتا۔ کہ اورنگ زیب کے عہد مین اب کی نسبت مالگذاری کی مقدار زیادہ تھی۔ تاہم اسکا خیال ہی کہ ہم نے اورنگ زیب کے مطالبہ مالگذاری کی مقدار کا اندازہ انگریزی زمانہ کی امسلہ و تحریرات سے لگایا تھا۔ یہ ٹھیک نہین۔ یہ اعداد خود اورنگ زیب کے دیوان مال کے رجسٹرون سے حاصل کئے گئے ہین جسکے تین نسخے وزیر ہند کے دفتر مین موجود ہین۔ اسکے بعد وطن لکھتا ہی کہ سوال یہ نہین کہ آیا انگریزی گورنمنٹ اپنے حق سے کم لے رہی ہے۔ بلکہ یہ کہ آیا وہ رعایا کی استطاعت سے زیادہ وصول کر رہی ہی۔ اور کہ آیا انتقال اراضی جو کچھ حد تک سرکاری مطالبہ کا نتیجہ ہی × × × × × × اس مطالبہ کو بڑھانے سے کم ہو جائیگا۔

مزید برآن اگرچہ وطن سرکاری مطالبہ کو زمینداروں کے مقروضی کا اہم سبب نہین سمجھتا لیکن ساتھ ہی اسکے دیگر اسباب کا ذمہ دار بھی بوجہ اسکے انتظام اور ناقص قوانین کے گورنمنٹ کو ہی بتاتا ہی۔ وہ فضول خرچی کو صرف اسی حد تک اسکا باعث قرار دیتا ہی۔ جہانتک کہ لوگ خود گورنمنٹ کے فعل سے اسپر عامل ہونے کیلئے مجبور ہین۔ اُسکا بیان ہی "یہ امر عام معلوم ہی کہ ان زمینداروں کی تعداد جو شادی بیاہ وغیرہ کی تقریبون پر فضول خرچ کرنیسے مشکلات مین مبتلا ہوتے ہین۔ بہت کم ہی اگرچہ سرکاری حکام عموماً ان مشکلات کا باعث اسی اسراف کو بتاتے ہین" پھر کاشتکارون کے لازمی اخراجات یعنی مصارف مقدمہ بازی اور رشوت کے متعلق جن سے ان کو کوئی چارہ نہین ہمارے بیان کو نقل کر کے لکھتا ہی۔ کہ اول الذکر کا باعث گورنمنٹ کے قوانین و ضوابط مین سادہ اسکا گران خرچ ہونا ہمارے قوانین اسٹامپ و میعاد و اشخاص قانون پیشہ کی طفیل ہی۔ اور آخر الذکر (رشوت ستانی) منتظمون کی لاپروائی کا نتیجہ ہے یعنے ان پانچ اسباب مین سے جنکو موجودہ قحط کمیشن کے پریسیڈنٹ نے زمینداروں کی مشکلات کا موجب قرار دیا ہے۔ ایک (اسراف) کی وجود سے انکار اور تین دیگر امساک باران قلت وسائل آبپاشی۔ اور بھاری شرح سود در سود کی ادائیگی) کے وجود سے اغماض کر کے وطن پریسیڈنٹ

ممدوح کے بیان کردہ اسباب مین سے صرف پانچوین سبب (تقسیم درتقسیم) کو درست تسلیم کرکے مانتا ہی کہ مالکان اراضی اس سے مجبور ہو کر اپنی زمینون کو بیچدیتے ہین اور مزارعین کی حیثیت مین تنزل ہو جاتے ہین۔ مگر اس اعتراف کے باوصف وہ اس راے پر قایم رہتا ہی کہ اہل الراے سرکاری مطالبہ مین تخفیف کئے جانے کی استدعا کرنے مین حق بجانب ہیں۔ تاکہ اسباب ثلاثہ مین سے کم از کم ایک کو حتی الوسع کمزور کیا جائے۔ اور اسپر غور نہین کرتا کہ یہ تخفیف اس افلاس اور انتقال جائداد پر بظاہر حال کسطرح موثر ہو سکے گی۔ جو املاک کی ایسی تقسیم درتقسیم کا نتیجہ ہون۔ جسکی وجہ سے ہر فرد مالک کے پاس اسقدر اراضی نہ رہجائے جس سے اسکا گذارہ ہو سکے۔

وطن ہمارے بیان کی مخالفت کرکے لکھتا ہی کہ مالک زمین کو اسقدر منافع نہین ہوتا جسقدر کہ تصور کیا گیا ہی۔ مالک کا فائدہ سرکاری معاملہ وجوب کے برابر ہو جائے۔ تو ہو جائے لیکن اسکی مقدار اس سے زیادہ شاذ و نادر ہی ہوتی ہی۔ مگر کانگریس کے اجلاس منعقدہ لاہور کا پریزیڈنٹ تسلیم کرچکا ہی کہ مالک کو بالاوسط سرکاری مطالبہ سے بارہ گنا فائدہ ہوتا ہی۔ اس نے اندازہ لگایا تھا کہ ملک کی تمام زرعی پیداوار کی مالیت کو اگر زرعی آبادی پر پھیلایا جائے۔ تو فی کس بیس روپیہ پڑتہ پہیلتا [uncertain reading] ہی۔ اور سرکاری معاملہ وجوب کا پڑتہ بالاوسط فی کس ۱۲ [uncertain reading] ہم اپنے پہلے مضامین مین دکھا چکے ہین کہ کل پیداوار کا اندازہ اصل مقدار سے بہت کم ہی۔ اور کہ مالک اراضی کا اوسط منافع سرکاری مطالبہ سے پندرہ گنا سے کم نہین بلکہ کچھ زیادہ ہی ہی۔ تاہم مسٹر چندر [uncertain reading] اورکر کا بارہ گنا فائدہ ہونیکا اندازہ بھی یہ ثابت کرنے کیلئے کافی سے بڑھکر ہی کہ زمین کیسی فائدہ بخش چیز ہے۔ اور کیون متمول اسپر روپیہ لگانے کیلئے ایسے بیتاب دکھائی دیتے ہین۔

وطن کا بیان ہی کہ "اگر فائدہ بخشی ہی متمولین کی بیتابی کا باعث ہی۔ تو بنگال مین کیون زمین کے زیادہ انتقال نہین ہوتے۔ جہان دوامی بندوبست کی وجہ سے مالک کا منافع بلاشبہ نسبتاً بہت زیادہ ہے۔ اسیطرح کیون نہری زمینین بکثرت متمولون کے پاس منتقل نہین ہوئین جنکی فائدہ بخشی سے بچہ بچہ واقف ہی۔ برعکس ازین گورنمنٹ اور اسکے باخبر عمال کو معلوم ہی کہ عموماً ناکارہ زمینین ساہوکارون کے ہاتھ بیچی جاتی ہین۔" یہ سوالات ایسی متانت سے کئے گئے ہین کہ ہمین یہ تصور کرنے کے سوا چارہ نہین کہ نویسندہ کو اپنے ان بیانات پر کہ ایسا نہین ہوتا۔ کامل یقین ہی۔ اور کہ اس غیر معمولی بیخبری مین اسکے مخاطب بھی شامل ہین۔ ہم نے ستمبر گذشتہ مین لکھا تھا کہ اس امر کی سخت ضرورت ہی کہ گورنمنٹ وقتاً فوقتاً گورنمنٹ گزٹون مین واقعات اور اعداد و شمار شائع کرتے رہنے سے پولیٹیکل قسم کی غلط

بیانون کی تصحیح کردیا کرے۔ وطن کے ان سالبہ یا منفیہ قسم کے اظہارات نے اس ضرورت کو اور بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ ظاہر کردیا ہی۔ دوامی بندوبست کی وجہ سے چونکہ بنگال مین ابتک رجسٹر ہائے انتقالات یا معاملات دیہی کے متعلق دیگر رجسٹر نہین رکھے گئے ہین تو دیہی چھوٹے چھوٹے محالون کی معاملات کے انتقالات کے متعلق غالبًا کوئی اعداد و شمار پیش نہین کئے جاسکتے (یعنی بدینوجہ وطن کے ان بیانات کی مستند طور پر از روئے دستاویزات سرکاری کوئی تردید نہین کیجاسکتی) لیکن جو ڈویشنل دفاتر و محکمہ رجسٹری مین ضرور ایسا مصالحہ موجود ہوگا۔ جو یہ ثابت کردیگا۔ کہ بڑی بڑی جائدادین (زمینداریان) دوامی بندوبست کیوقت سے بہ تعداد کثیر منتقل ہوچکی ہین۔ چنانچہ ترمیم بندوبست کے مخالف جو بڑی دلیل پیش کیجاتی ہین۔ ان مین سے ایک یہی انتقال کا معاملہ ہی۔ باقی جہانتک نہری اور غیر آبپاشی اراضیات کے انتقال کا تعلق ہی۔ گورنمنٹ بلا تامل برائے اعداد اس خیال کی تردید کرسکتی ہی۔ کہ حاجتمند زمیندار ناکارہ زمین ساہوکار کو پیش کرتا ہی۔ ان اعداد سے وہ وطن کے اس بیان کی بھی تردید کرسکتی ہی۔ کہ "زرعی اراضیات کا انتقال عموماً زمیندارون کے ہی حق مین ہوتا ہی اور یہ کہ دیہات مین ایسے انتقالات کا ۹۹ فیصدی حصہ انہی کے حق مین ہوتا ہی"۔ مگر (مقام شکر ہی) کہ عام معلوم ہی اور واقعات روزمرہ کیطرف ایسی بیخبری عام نہین بفرض محال خواہ کوئی شخص مسودہ قانون انتقال اراضی پنجاب کے بحث مباحثے سے بیخبر رہا ہو۔ یہ باور کرنا مشکل ہی۔ کہ بمبئی مین بھی اس قسم کا قانون نافذ کرنیکے متعلق آجکل جو شوروغل برپا ہے۔ وہ اسکے کانون تک نہ پہنچا ہوگا۔ اور اس شوروغل نے اسکے دل سے "وطن" کا یہ خیال محو نکردیا ہوگا کہ "متمول زرعی اراضیات کو بہت کم خریدتے ہین۔ کیونکہ جب چھوٹے چھوٹے محال اپنے موروثی مالکون کا پیٹ نہین پال سکتے۔ تو متمول دوسرون سے انپر کاشت کراکر کیا فائدہ اٹھا سکتے ہین"۔ غالبًا نویسندہ کو لفظ "خریداری" سے مغالطہ ہو رہا ہی۔ بیشک ایسا بہت کم ہوتا ہی کہ ساہوکار بغرض خرید کے طور پر زمین کو حاصل کرتا ہی۔ مگر اس قسم کے ان مسائل کو حل کرنے کی غالبًا بہترین تدبیر یہ ہی کہ عملی مثال پیش کیجائے اور ہم ایسی مثال پنجاب کے ایک قابل نمونہ ضلع سے حاصل کرکے پیش کرتے ہین۔

ضلع فیروزپور مین دو گروہ سکھ جاٹ اور مسلمان راجپوت مختلف قسم کے آباد ہین۔ اول الذکر کے ہان ساہوکار کیلئے بہت کم گنجائش ہی کیونکہ وہ آپس مین خود ہی ساہوکارہ اور لین دین کا کاروبار کرتے ہین۔ اور غالبًا وطن کے مضمون لکھنے والے کا تجربہ اسی محدود جماعت پر مبنی ہی جسکی نسبت یہ بالکل درست ہے کہ ان کے ہان اکثر انتقالات اراضی ایک دوسرے کے حق مین ہوتے ہین۔ مگر کل پنجاب نہین کل ہندوستان پر ایسی حالت کا اطلاق جو صرف ہوشیار و ذہین اشخاص کے ایک چھوٹے سے گروہ

مخص ہو یعض لغو ہو۔ مالوہ کا جاٹ اپنی وضع مین بالکل نرالا ہی۔ اسکے جہودانہ اوصاف ریاستہائے پھولکیان کی حدود سے بہی آگے تجاوز نہین کرسکتے۔ اور اضلاع قسمت دہلی کے دیسوال جاٹ اِن اوصاف سے معرّا ہین۔ یہ جاٹ زیادہ تر اُن بلند علاقون مین آباد ہین۔ جو نہر سرہند سے سیراب ہوتے ہین۔ مگر ان کے کچہ دیہات وادی ستلج یعنی اس دریا کے پہلے ڈانڈہ پر اس علاقہ کے مسلمان باشندون کی آبادی مین جابجا بکہرے ہوئے پائے جاتے ہین۔ اِس وادی کے باشندون نے تیس برس ہوئے اپنی زمینون کو طغیانی کی نہرون سے آبپاش کرنا شروع کیا۔ اور ایک سابق فنانشل کمشنر کا بیان ہی کہ اِس آبپاشی کی بدولت یہ باشندے۔ یا کم از کم مسلمان باشندے برباد ہوگئے۔ جبتک اِن کی زمینین بارانی اور بنابرین کم حیثیت رہین۔ وہ اُنکا ملک رہین۔ ساہوکارون نے ناکارہ زمین کو خریدنا پسند نکیا۔ اور ہم مانتے ہین کہ جب وہ آبپاشی سے قیمتی ہوگئی تو اُسوقت بہی اُسے خریدا نہین۔ تاہم نتیجہ یہ ہوا کہ یہ زمین بذریعہ رہن وبیعیات اُن کے قبضہ مین آگئی۔ کیونکہ اصولاً (خواہ وطن اس اصول کو کیون ہی نہ مانے) قیمتی زمین ہر جگہ اپنے ناعاقبت اندیش مالکون کے ہاتہ سے نکلجاتی ہی۔ بلکہ خواہ وہ ناعاقبت اندیش ہون یا نہ ہون۔ اور خواہ زمین ساہوکارونکو منتقل ہو۔ یا آسودہ حال زمینداروں کے حقیر وہ یون ہی جبکہ تقسیم در تقسیم محالات کا رقبہ بہت تہوڑا اور ناقابل گذارہ ہوجائے۔ عموماً اِن کے قبضہ سے نکلجاتی ہی جسوقت محال کا رقبہ مالک اور اسکے کنبہ کے گذارہ کے لئے غیر مکتفی ہوجائے۔ تو خواہ سرکاری مطالبہ کے بعد کتنا ہی منافع بچتا ہو۔ بلکہ (جیسا کہ معافیون کی صورت مین ہوتا ہی۔) خواہ سرکاری مطالبہ کچہ بہی نہو زمین کا منتقل ہوجانا لازمی امر ہی لیکن اگرچہ یہ چھوٹے چھوٹے قطعے اپنے مزارعہ مالکان کا پیٹ نہ پال سکین۔ یہ ضروری نہین کہ وہ منتقل الیہم کیلئے بدینوجہ فائدہ بخش نہ ہونگے۔ اگر منتقل الیہ جاٹ ہے تو وہ اُسے اپنے مزارعہ کی کاشت مین آزاد کرکے بٹائی کریگا۔ یہ سمجہنا کچھ مشکل نہین کہ گو دو دو ایکڑ کے دس ٹکڑے دس کنبون کو نہین پال سکتے لیکن ایک واحد مالک کے دو کاشتکارون کا گذارہ بخوبی چلا سکینگے۔ اور مالک کو خاصہ فائدہ دینگے۔

یہان پر سوال پیدا ہوتا ہی۔ کہ اگر زمین کا چھوٹے چھوٹے مالکون کے پاس سے بالآخر منتقل ہو جانا ناگزیر ہے تو پیداوار کا سرکاری حصہ کس غرض کیلئے مسلسل گھٹایا جارہا ہے۔ گورنمنٹ اب قدیم رواج وقانون کے مطابق پانچوان حصہ لینے کی بجائے بیسوان حصہ لے رہی ہی۔ اور بحالات موجودہ وہ اپنے مطالبہ سے مجبور ہوگی۔ کہ آئیندہ اِسمین کچہ بہی نہ لے۔ جسکا منشا ہی کہ کاشتکار پر سرکاری مطالبہ مصارف زراعت اسکے اور اپنے اور اُسکے کنبہ کے گذارہ کیلئے پیداوار چھوڑنے کے بعد واجب ہوتا ہے۔

وطن اس بیان کو معمہ بتاتا ہے کہ معاملہ بڑھانے سے انتقال کم ہوا کرینگے۔ ہم بیشک بمبئی کے مسٹر مان ٹیتھ کی اس رائے کو صحیح سمجھتے ہین کہ زمین اسلئے متمولون کے قبضہ مین جارہی ہی۔ کہ معاملہ بالعموم ہلکا اور نرم ہی۔ اگر زمین کا لینا بدینوجہ فائدہ بخش نہ ہوتا تو متمول کبھی اُسے لینے کی خواہش نہ کرین۔ لیکن یہ ہم نے کبھی نہین کہا کہ معاملہ کا اضافہ انتقالات کی رفتار کو سست کرنیسے بڑھکر یا اور طریق سے زمیندار کی ساکھ کو گھٹانے سے زیادہ کام دے سکیگا جو طریق قانون انتقال اراضی نے اختیار کیا ہی وہ البتہ رفتار کو سست کرنیسے بڑھکر بھی کچھ کام دیسکتا ہی۔ مگر آخرالذکر اس رفتار مین فی الحقیقت کوئی فرق نہین ڈال سکیگا۔ اس کا اثر صرف یہ ہوگا کہ زمین ساہو کارون کی بجائے بڑے بڑے زمیندارون کے پاس منتقل ہوا کریگی۔ ہان معاملہ کا بڑھانا وہی اثر پیدا کریگا۔ جو دیسی ریاستون مین اسکا دیکھا جاتا ہی۔ جہان بالعموم انگریزی علاقہ سے پرتہ دگنا ہی۔ اور جہان نسبتاً بہت کم انتقال ہوتے ہین۔ انتقال اراضی کے دو سبب ہین جنمین سے ایک کو ہم نے حکماً یہ نتیجہ پیدا کرنیوالا بتایا ہی یعنی تقسیم در تقسیم گذارہ کے حد سے نیچے۔ اور اس خرابی کا کوئی علاج نہین۔ دوسرا باعث بے انتہا منافع اور اختیار انتقال کیوجہ سے زمیندار کی ساکھ کا زیادہ ہونا۔ اور متمولون کو اس زیادتی منافع کیوجہ سے زمین خریدنے کی ترغیب ملتے رہنا ہی۔ اس سبب کو محض اختیار انتقال کے محدود کرنے سے رفع کرنا گورنمنٹ کی فضول کوشش ہی۔ اسکا انسداد فقط سرکاری مطالبہ کے بڑھانے سے ہوسکتا ہی۔ لیکن اگر صرف انتقال اراضی کی رفتار کو سست کرنا مطلوب ہو۔ تو اسکے لئے اس تدبیر کا اختیار کرنا بھی کارگر ہوسکتا ہی۔ کہ جو زمین بذریعہ بیع یا رہن منتقل ہو اسکی مکرر تشخیص کرکے مطالبہ کی پوری شرح (یعنے پانچوین حصہ کے حساب سے) کے مطابق مطالبہ قائم کیا جائے (اسطرح لوگ خود بخود زمین لینے سے باز آجائینگے) مگر ہمین صرف یہی مدعا اسوقت مدنظر نہین۔ تشخیص کے اصول کی عام نظر ثانی اور بتدریج اسیقدر حصہ پیداوار سرکاری معاملہ مین حاصل کرنے کی کوشش کرنیکے لئے جو بروئے رواج قدیم سرکار کو واجب ہی۔ ایک اور وجہ بھی جو نیز نہایت زبردست اور اہم ہے موجود ہی۔ وجہ مذکور سلطنت ہندوستان کی خطرناک فوجی کمزوری اور اُسکی حفاظت کے قابل فوج کے قیام کیلئے موجودہ آمدنی کا غیر مکتفی ہونا ہی۔ معزز معاصر سول نے جس فقرہ پر اپنے مندرجہ بالا لیڈر کو ختم کیا ہی۔ ہمے اسکے ۲۰ اگست کے اڈیٹوریل نوٹ کا لب لباب سمجھنا چاہئے۔ اسلئے ترجمہ مین ۲۰ اگست کی تحریر کو ۲۰ اگست کی تحریر سے پہلے درج کیا گیا ہی۔ آخرالذکر مین وہ نواب وزیر ہند پر خفگی کرکے کہ بجٹ ہندوستان کے متعلق آپنے پارلیمنٹ مین معذرت آمیز پیرایہ مین کیون ذکر کیا۔ لکھتا ہے:۔

اگر آپ یہ کہدیتے کہ ہندوؤن سے بالکل معاملہ نہیں لینا چاہئے۔ تو بھی ایک بات ہوتی۔ اسکے
لئے وہ یہ دلیل پیش کرسکتے تھے۔ کہ زرعی آبادی کی اوسط سالانہ آمدنی فیکس ۲۵ روپیہ ہے۔ اور یہ رقم
انکے گذارہ کو بھی کافی نہین۔ ایسی تھوڑی رقم سے مصارف سلطنت کیلئے کچھ حصہ لینا ناممکن ہے۔
اسکے لئے اور تدابیر اختیار کرنا چاہئیں۔ مگر جب لارڈ ہملٹن پیداوار کے ایک حصہ پر انتظامی مقاصد
کیلئے سرکار کا استحقاق سمجھتے ہین۔ تو پھر بشرطیکہ اسکی کچھ ضرورت تھی۔ ان کی معذرت خواہی اسلئے نہیں
ہونی چاہئے تھی۔ کہ گورنمنٹ اسقدر زیادہ لیرہی ہے۔ بلکہ اسلئے کہ وہ اپنے واجب سے اسقدر کم لیتی
ہے۔ اب ایسا وقت آگیا ہے۔ کہ گورنمنٹ یہ انداز چھوڑ کر دلیرانہ اپنے استحقاق کو جتائے۔ جبکہ وہ صرف
پانچ فیصدی لینے کی حالت مین بھی عذر پیش کرتی۔ اور اسکی معقولیت کے درجہ ڈھونڈتی ہو تو مسٹر دت
وغیرہ کو اور زیادہ دلیر ہو کر تخفیف پر اصرار کرنیکا موقع ملجاتا ہے۔ میدان رزم کی طرح پولیٹکل دنگل مین بھی
مدافعت کا پہلو خطرناک ہے۔ گورنمنٹ کو اب قابل جرنیل کیطرح جارحانہ پہلو اختیار کرکے صاف کہدینا
چاہئے کہ ہندوستان کی آمدنی اسکی ضرورتون اور خاصکر فوجی حفاظت کیلئے کافی نہین۔ اور ایسی
صورت مین وہ اپنے جائز استحقاق کو نہین چھوڑ سکتی۔ بروے رواج و قانون قدیم سرکار کا حصہ
بیس فیصدی ہے۔ نہ کہ پانچ فیصدی۔ انگریزی عہد سے پیشتر کی آخری واقعی حکومت پانچوان ہی حصہ
لیتی تھی۔ اورنگ زیب کے ماتحت نسبتاً بہت تھوڑا ملک تھا اور وہ اسکا مالیہ ۳۶ کروڑ روپیہ وصول
کرتا تھا۔ جو رقم اُسوقت اور اب کے چاندی کے بھاؤ کی مناسبت سے اسوقت کے ساٹھ کروڑ روپیہ
کے برابر ہوتی ہے۔ اور سرکار انگریزی نسبتاً بہت زیادہ رقبہ سے صرف ۲۷ کروڑ روپیہ مالیہ وصول
کررہی ہے۔ ہندوستان کی مناسب حفاظت کے لئے جسقدر فوجی اہتمام درکار ہے اسکے سالانہ خرچ
کیلئے سرکاری مالیہ کم از کم ۴۰ کروڑ ہونا چاہئے۔ یعنی موجودہ مقدار کو ڈیوڑھا کرنے کی ضرورت ہے۔ پس
صورت مین سرکار کا حصہ ۱/۵ بجائے ۳/۱۰ ہوگا۔ موجودہ صورت مین پر شہ فی کس زرعی آبادی ۲ روپیہ
محسوب ہے۔ اضافہ کی صورت مین تین روپیہ ہوگا۔ اگر کہا جائے کہ ۲۵ روپیہ سالانہ آمدنی رکھنے والی زرعی
آبادی اسقدر گنجائش نہین نکال سکتی۔ تو اسکا دوسرے لفظون مین گویا یہ مطلب ہوگا۔ کہ اگر اوسط
آمدنی پندرہ یا بیس روپیہ رہجائے تو سرکار کچھ نہ لے اور فوج کو موقوف کردے۔ بات یہ ہے کہ اگر سوال یہ ہے
کہ زمیندار کیا دے سکتے ہین۔ تو ۲۵ روپیہ کی آمدنی مین بھی فی الحقیقت زمیندار سرکاری مطالبہ کیلئے
کوئی گنجائش نہین نکال سکتے۔ مگر قدیم ایام سے عہد معدلت تک تشخیص معاملہ مین یہ سوال کبھی پیش
نہین ہوا۔ صرف انگریزی گورنمنٹ نے ہی اپنی مرتبہ دلیا ستین اس سوال کو اٹھایا ہے۔ پس

اگر تقسیم در تقسیم کیوجہ سے محالات کے رقبے چھوٹے ہو جائینگے اوسط آمدنی فی کس صرف ۲۵ روپیہ رہگئی ہے۔ تو فالتو آبادی اس ملک کے غیر آباد علاقون اور ممالک غیر کو جا کر کاشتکاری کرے جہان اُنکو اس اوسط سے کئی گُنی آمدنی ہوگی۔ پچھلے سال ۲۷، اتار کان وطن واپس آئے۔ اور بالاوسط ہر شخص ۴۵ روپیہ پس انداز کر کے ساتھ لایا۔ گورنمنٹ نے ضروری مصارف کیلئے بہرحال روپیہ حاصل کرنا ہر اور ہندوستان کی حفاظت ضروری ہی۔ اور تمام سمجھدار آدمی اسبارہ مین اُسکا ساتھ دینگے۔ ان مصارف کیلئے زمین ہی سے روپیہ حاصل کرنا ضروری ہی۔ اور کہ قدیم دستور کے مطابق یہ روپیہ زمین کی کل پیداوار سے کافی حصہ لینے سے حاصل کرنا چاہئے۔ اور اگر کاشتکارون کے پاس موجودہ چھوٹے محالات پر کاشت کرنیکی وجہ سے اِس حصہ کے بعد گذارہ کیلئے کافی پیداوار نہ رہی۔ تو وہ بڑے رقبون پر کاشت کرین ایسا کرنا اُن کا فرض ہی۔ نہ کہ گورنمنٹ کا۔ ملک مین ابھی بیشمار قطعات غیر آباد موجود ہین۔ اُن کو آباد کرین۔ اور ایک ہی جگہ دہرنا دئے نہ بیٹھے رہین"۔ بالآخر اب معزز ہمعصر آبزرور کی تحریر کا خلاصہ درج کیا جاتا ہی۔ وہ ہمعصر سول کی پہلی تحریر کا ابتدائی حصہ نقل کرنے اور اُس مباحثہ کا خلاصہ دینے کے بعد سول کے اِس فقرہ کے جواب مین کہ "مقام شکر ہی کہ واقعات سے ایسی بیخبری عام نہین" لکھتا ہی: "کہ زرعی معاملات کے متعلق وطن کی معلومات پر جو حملہ کیا گیا ہی۔ اُسکی معقولیت یا بے بنیادی کی بحث کو سردست الگ رکھکر ہم اس وقت صرف یہ بیان کئے دیتے ہین۔ کہ ہم نے اس اخبار کو پنجاب کے زمیندارون کے معاملات کے متعلق عموماً باخبر پایا ہی۔ اِن معاملات کے متعلق اڈیٹر وطن کی رائے کی بادقعتی ظاہر کرنے کیلئے بطور مثال ایک واقعہ کا ذکر کیا جاتا ہی۔ سب سے اول اُسی نے مسودہ قانون انتقال اراضی کی سلیکٹ کمیٹی کے لائق ممبرون کو اُن کی تجویز کردہ سوم قسم رہن بلا قبضہ کے اہم نقصانات وکیل کے کالمون کے ذریعہ سے بتائے تھے۔ اور اُسکے اعتراض کی ماہیت و معقولیت کو بلا تامل تسلیم کر کے مجوزہ شق کی مناسب ترمیم کر دیگئی تھی۔ بنابرین فریقین سے ہماری استدعا ہی کہ اس بحث کو ایک دوسرے کی معلومات کے متعلق آراء ظاہر کرنیکی بجائے واقعات و روئداد پر ختم کرنے کی کوشش کرین۔ اور اڈیٹر وطن سے اُمید رکھتے ہین کہ وہ اپنے دعویٰ کی تائید مین مزید واقعات اور دلائل لانے سے دریغ نہین کرے گا۔ وہ اگر انگریزی کا جواب انگریزی مین دے تو غالباً زیادہ مناسب ہوگا"۔

ہمارے مقامی روزانہ ہمعصر نے بعنوان تشخیص معاملہ اراضی جو ریمارک وطن کے لیڈر بعنوان عجیب دریافت مورخہ ۲ اگست پر اپنے نمبر مورخہ ۳ اگست مین کئے تھے۔ اُن کا اور نیز اُسکے ایک اور اڈیٹوریل نوٹ کا ترجمہ ۶ ستمبر کے وطن مین شائع ہو چکا ہی۔ ہمارے ہمعصر نے ان ریمارکس

کے آخری حصہ اور محولہ بالا نوٹ مین پردہ اُٹھا کر اپنے اصل مدعا کو صاف لفظون مین ظاہر کر دیا ہی۔ اور اس امر کا علانیہ اقرار کر لیا ہو کہ وہ زمینداروں کی بہتری کیلئے معاملہ کو زیادہ سنگین کرنے کی کوئی تجویز پیش نہین کر رہا۔ بلکہ زیادہ تر اس غرض کیلئے کہ حکومت کو ہندوستان کی حفاظت کیلئے فوجی طاقت کا بڑھانا ضروری ہی۔ یہ ضرورت خرچ کے اضافہ کی مقتضی ہی۔ اور یہ زائد خرچ معاملہ کو بڑھانے سے پورا کرنا چاہئے۔ ۳۰ اگست کے بعد اُسنے پھر دو تین لیڈنگ آرٹیکل لکھکر اس ضرورت کو زیادہ وضاحت سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہو۔ ان مین اُسنے ایک آسٹرین مبصر کی رائے ہندوستان کی فوجی طاقت کی نسبت نقل کرکے یہ بتایا ہو۔ کہ مناسب انتظام حفاظت ملک کیلئے فوج اور انگریز افسرون کی تعداد کم از کم اسقدر بڑھانی چاہئے اُن کی تعداد کا معینہ تعداد سے کم رکھنا خطرہ سے خالی نہین۔ اور یہ خطرہ اسیطرح دور ہو سکتا ہو۔ کہ معاملہ اراضی کی مقدار کو بلا توقف مزید ڈیوڑھا کر دیا جائے تاکہ فوجی اصلاح اور جنگی استحکام کیلئے زر مطلوبہ بہم پہنچ جائے۔

اس اعتراف اور فوجی ضرورت کے مسئلہ کو تشخیص اراضی کے معاملہ کیساتھ مرتبط کرنے سے ہمارے ہمعصر نے گو بحث کو بہت طولانی اور پیچیدہ کر دیا ہی لیکن ہم اُسکے مشکور ہین کہ اُسنے ساتھ ہی ایسا کرنے سے ہماری پوزیشن کو اور زیادہ مضبوط کر دیا ہی۔ اُسکے اس مغالطہ کو دور کرنا مشکل کام نہین کہ حفاظت ملک کے ذمہ دار فقط زمیندار ہی ہین۔ اور کہ ملک کو محفوظ و مصئون بنانیوالے انتظامات کے مصارف برداشت کرنیکا صرف یہی فریق کفیل اور مستوجب ہی۔؟

مگر اس نئے مسئلہ پر بحث شروع کرنیسے پہلے جسکو ہمارے ہمعصر کے فاضل مضمون نگار نے بعد مین شامل کیا ہی۔ ابتدائی مبحث یعنی موجودہ تشخیص اراضی اُسکے نتائج اور سنگینی یا نرمی کے متعلق فاضل موصوف کے ریمارکس کا جواب دینا مناسب معلوم ہوتا ہی۔ اصل بحث یہ تھی کہ ہمارے قابل ہمعصر نے مسٹر مان ٹیتھ چیف سیکرٹری بمبئی گورنمنٹ کیساتھ متفق الراء ہو کر یہ تھیوری پیش کی۔ کہ انتقال اراضی کا جسے مدبران ملک سیاسی اور تمدنی و اقتصادی تینون لحاظات سے ملک کے حق مین خوفناک تصور کر رہے ہین بڑا باعث معاملہ کی نرمی ہی اور اسکے بعد دوسرا اسباب تقسیم در تقسیم۔ آخر الذکر کو اُنہون نے لاعلاج سمجھکر دوسرے کا علاج یہ تجویز کیا کہ معاملہ بڑھا دینا چاہئے۔ وطن نے اسکو عجیب دریافت سمجھا اور اپنے تعجب کو ابنائے ملک کے سامنے ظاہر کرکے اس تھیوری کے ابطال کی کوشش کی۔ اُسوقت تک ہمارے ہمعصر نے اپنی اصل غرض کو آشکارا نہ کیا تھا۔ اور اس بحث کو بظاہر محض زمینداروں کی ہمدردی کے پیرایہ مین پیش کیا تھا۔ بنابرین وطن نے بھی صرف اسی ہمدردی زمینداران کے اصول کو مد نظر رکھکر بحث کی۔ اور یہ ثابت کرنا چاہا کہ انتقال

اراضی کا انسداد خواہ کیسا ہی ضروری ہو۔ اس مدعا کے حصول کیلئے معاملہ کو زیادہ سنگین کرنا قرین انصاف نہ ہوگا۔ وہ پہلے ہی کافی سے بڑھکر سنگین ہے۔ فریق ثانی نے گو اب اپنا اندازہ ایک طرح سے بالکل بدل لیا ہے۔ اور اب اسکا بیان مختصر الفاظ مین یہ ہے کہ معاملہ بڑھانیکا نتیجہ خواہ انسداد انتقال ہو یا نہ ہو ہمکو روپیہ کی ضرورت ہے۔ اور روپیہ کے حاصل کرنیکے لئے ہم اُسی حد تک پیداوار کا حصہ لینے کے مستحق ہین جو زمانہ قدیم مین لیا جاتا تھا لیکن اُسنے اپنے ۳۰ اگست کے لیڈر مین جیسا کہ ناظرین مطالعہ کر چکے ہین۔ سوائے آخری چند فقرون کے اصل بحث سے تجاوز نہ کیا۔ اور وطن کے بعض دلائل و بیانات پر جرح قدح کرکے اپنے دعاوی کی تائید کی کوشش کرنے پر ہی اکتفا کیا۔ اولاً انہی تائیدی و قادحانہ ریمارکس پر غور کرنا ہے وہ ہماری رائے مین اپنے دعوی کی تائید مین کوئی اچھی اور موثر دلیل نہین لاسکا۔ اور تعجب ہے کہ ایسے باخبر سے ایک بہت بڑا اصول کسطرح نظر انداز ہو گیا۔ اس امر کے ماننے سے اُنہین انکار نہ ہوگا کہ انتقال اراضی کا بڑا باعث زمیندارون کا افلاس ہے۔ کل ملک مین ابتک شائد ایک ہی ایسا انتقال نہ ہوا ہوگا۔ کہ کسی خوشحال پشتینی زمیندار یا زراعت پیشہ نے بطور پروفیشن زمینداری و زراعت کو ناپسند کرکے کسی اور کام کو شروع کرنے کی غرض سے راس المال بہم پہنچانے کیلئے زمینداری کو فروخت کیا ہو۔ ایسے لوگ جب زمین کو منتقل کرتے ہین۔ تو محض تنگدستی اور بیچارگی کے باعث۔ خواہ اِس تنگدستی کا موجب اُن کا ذاتی اسراف ہو۔ یا مہاجنون کا سود در سود۔ اور خواہ قہر الٰہی ہو یا سرکار اور سرکاری ملازمون کے مطالبات۔ اور خواہ اُنکی سادہ لوحی و جہالت ہو یا تقسیم در تقسیم کا رواج۔ یہ سب چیزین زمیندارون کی آمدنی کم کرنیوالی ہین۔ اور زمیندارون کے افلاس کا باعث انہی کا مجموعی و منفرد اثر ہے۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ ان مین سے کسیکو زیادہ موثر بنانا افلاس کی رفتار کو تیز کرتا ہے یہی اثر زمیندار کے مصارف کی ایک شق یعنی سرکاری معاملہ کے اضافہ کا ہونا چاہیئے۔ اور ہوتا ہے۔ جو بتدریج دیگر بواعث کے اثر کیساتھ ملکر زمیندار کو اِس قدر مقروض کر دیتا ہے کہ وہ زمین کو بیچ دینے کے سوا۔ اور کسیطرح قرض کے بوجھ سے مخلصی نہین پاسکتا۔ وطن کو اس سے انکار نہین کہ امساک باران قلت وسائل آبپاشی اور مہاجنون کے قرضہ کے سود در سود کی بھاری شرح کو بھی زمیندارون کے مفلس بنانے مین بڑا دخل ہے۔ اُسنے اپنے سابقہ مضمون مین اِن بواعث کو صرف اسلئے نظر انداز کر دیا تھا۔ کہ بحث صرف ان بواعث سے تھی۔ جنکا تعلق گورنمنٹ سے ہے۔ اور اُن مین سے بھی خاصکر اُن کا۔ جنکا تدارک وہ ادنیٰ توجہ اور تھوڑی سی مزید شفقت سے کام لینے سے کرسکتی ہے۔ ورنہ سب سے پہلے کم از کم صوبہ پنجاب مین اڈیٹر وطن ہی نے گورنمنٹ کو توسیع وسائل آبپاشی کیطرف توجہ دلا کر ملک کو امساک باران اور خشک سالیون کی متواتر بربادیون

حتے الامکان بچانیکا پرزور مشورہ دیا تہا۔ اور مہاجنون کے سود در سود سے زمیندارون کی مخلصی کرانے کیلئے وہ زراعتی بنکون کے قیام کا کئی برس ہوئے ایک سے زیادہ مرتبہ مشورہ دیچکا ہی۔ تقسیم در تقسیم کے اثر کو بہیک معاملہ کی نرمی یا سنگینی سے کوئی تعلق نہین۔ گو یہ عام مشاہدہ ہی کہ اگر ایک محال چند نسلون کے بعد متعدد چھوٹے چھوٹے قطعات مین منقسم ہوجاتا ہی تو ویسے ہی ایسے چھوٹے چھوٹے قطعات کے اجتماع سے اُسیقدر عرصہ مین کئی بڑے بڑے نئے محال موجود ہوجاتے ہین۔ اور اسطرح خود بخود طبعی قاعدہ سے اس تقسیم در تقسیم کے اثر کی تلافی ہوتی رہتی ہی۔ لیکن اگر زمین کا معاملہ حد نامناسب تک بڑہا دیا جائے تو وہ اس طبعی قاعدہ کے عمل مین سخت رکاوٹ ڈالیگا۔ کیونکہ معاملہ کی گرانی کے باعث متمول تو درکنار ہمسایہ و شریک مالک زمیندار کو بہی انکے خریدنے کی جرأت نہ پڑیگی برعکس ازین اگر معاملہ ہلکا ہو تو اس سے قاعدہ مذکور کو اپنے عمل مین بہت مدد ملجائیگی۔ اور اسطرح تقسیم در تقسیم کا کوئی بڑا اثر عام طور پر محسوس نہ ہوا کرے گا۔

وطن نے اپنے ہمعصر کے اس بیان اور اندازہ پر کہ بقول مسٹر رومیش چندر دت گورنمنٹ پیداوار کے پانچوین حصہ کی حقدار ہی اور وہ صرف پانچ فیصدی اصل اور ایک فیصدی حبوب کلہم ۶ فیصدی لے رہی ہے۔ اسلئے بحث کرنا پسند نہ کیا تہا۔ کہ خواہ یہ دونون بیان درست ہون۔ جب مشاہدہ موجودہ معاملہ کو بہی جیسے سول رعائتی و ہلکا بتاتا ہی۔ زمیندارون کیلئے کچھ کم گران نہین ثابت کر رہا تو یہ بحث فضول ہوگی کہ زمیندار آیا گورنمنٹ کا پورا مزعومہ حق ادا کرنیکی استطاعت رکہتے ہین۔ چونکہ اس امر کا فاضل مضمون نگار نے خاص طور پر ذکر کیا ہی۔ اب ہم یہ بتا دینا مناسب سمجھتے ہین کہ مسٹر رومیش چندر دت کا یہ بیان جسپر سول نے یہ تمام عمارت کہڑی کی ہی تواریخ سے ہرگز پایہ ثبوت کو نہین پہنچسکتا۔ اور جہانتک تاریخ سے پتہ چلتا ہے اب تک کسی جابر سے جابر ہندو یا مسلمان بادشاہ نے بہی کل پیداوار کا پانچوان حصہ مالکان اراضی سے وصول نہین کیا۔ اسلامی شریعت کے مطابق معاملہ اراضی کی صرف تین صورتین ہین۔ خراج۔ عشر اور صلحی۔ پہر خراج آگے دو قسمون مین منقسم ہی۔ وظیفہ اور مقاسمہ۔ وظیفہ وہ جو ہمیشہ کیلئے نقدی مین تشخیص کیا جائے۔ اور مقاسمہ وہ جو بٹائی کے اصول پر لیا جائے۔ صلحی صرف عرب کے ایک قبیلہ بنی تغلب کے لئے خاص ہے۔ اسلئے وہ بالکل خارج از بحث ہی۔ عشر اور خراج مین سے سب نے اسے تسلیم کیا ہی کہ آخر الذکر زیادہ سخت ہی اور اُسکی دونون اقسام وظیفہ و مقاسمہ مین سے وظیفہ زیادہ گران اثر ہی۔ لیکن اس سخت ترین صورت تشخیص معاملہ کی مقدار آبپاش زمین کیلئے صرف ۱۱ر فی بیگہہ یا ۲ار فی ایکڑ حضرت عمرؓ نے مقرر کی۔ اور انکے جانشینون کو کبہی اس شرح کے بڑہانے کی جرأت نہین ہوئی۔ عراق عرب جیسا زرخیز ملک نہرین جاری

اورمعاً آبیانہ شرح معاملہ کلہم دو روپیہ ایک آنہ فی ایکڑ اور اسے انتہائی اعلیٰ شرح قرار دیا گیا (دیکھو بیلی صاحب کی کتاب لینڈ ٹیکس آف انڈیا صفحہ ۱۷) اسکے مقابل گورنمنٹ کا مطالبہ اسوقت کسی نہری علاقہ مین بالاوسط پانچ روپیہ ایکڑ سے کم نہین - اور نہر چناب کی نو آبادی مین تو بعض فصلون پر آبیانہ مع معاملہ دخرچ جیتی دس روپیہ فی ایکڑ سے بھی متجاوز ہو جاتا ہی - اور ان جنسون پر بھی جنکی عام کاشت ہوتی ہی مثلاً گندم - وہان یاکپاس ان تینون کا مجموعہ آٹھ نو روپیہ سے کم نہین رہتا - مگر یہ شرح جو موجودہ نہری معاملہ کی نسبت بہت ہی سبک ہے اسلامی ضوابط مین سنگین ترین شرح تہی - اور امتداد زمانہ نے ثابت کر دیا کہ واقعی وہ بہت ہی سنگین تہی - بیلی صاحب بحولہ بالا کتاب کے اُسی صفحہ مین لکھتے ہین "ابتدائی ازمنہ مین جبکہ وظیفہ مقاسمہ سے بھی زیادہ سنگین اور نیز ایسا ٹیکس تہا جسکی ادائیگی کے سوا چارہ نہ تہا - مالکان اراضی زمینون کو اس کثرت و تواتر کیساتھ چھوڑنے لگ گئے - کہ قانون کو اس صورت کا خاص طور پر تدارک کرنا پڑا تاکہ گورنمنٹ کو بلا کاشت پڑے رہنے سے نقصان نہ اُٹھانا پڑے - فقہ حنفیہ کے مطابق سلطان وقت کو اختیار دیا گیا کہ مالکان اراضی کی واپسی کا کافی عرصہ انتظار کرنے کے بعد وہ خواہ زمین کو کسی نئے شخص کو مقررہ خراج پر کاشت کیلئے دیکر مالک بنادے - یا خود قابض ہو کر بیت المال کے صرف سے اُسپر کاشت کرائے ۔"

سنگین ترین اسلامی شرح کے موجودہ مطالبہ کے سبک ہونیکے ثبوت کے بعد دیگر اسلامی شرحون کے ذکر کی کوئی احتیاج نہین رہگئی - ہندوستان کے متعلق خراج کا اولین تذکرہ آئین اکبری مین ہی جسے ابو الفضل نے چند سطرون مین ختم کر دیا ہی وہ لکھتا ہی "زمانہ سلف مین ہندوستان کے بادشاہ زمین کا چھٹا حصہ لیا کرتے تھے" ہندو بادشاہون کے زمانہ کے متعلق سرکاری مطالبہ کی ٹھیک نسبت معلوم نہین ہوسکتی - منو کے احکام مین صرف یہ درج ہی - کہ "نہایت اشد ضرورت کیوقت بادشاہ اپنی رعایا سے پیداوار کا چھٹا حصہ لیسکتا ہی" (دیکھو کتاب مندرجہ بالا صفحہ ۴۳) اس سے صاف ظاہر ہے کہ معمولی حالات وازمنہ مین بادشاہ اس سے بہت تہوڑا حصہ لیا کرتے تھے - یا اُن کو اس سے بہت کم حصہ لینے کا استحقاق حاصل تہا ۔

ہندوستان کے ابتدائی مسلمان بادشاہون کے طریق عمل کے متعلق محقق طور پر کچھ معلوم نہین - البتہ قیاس ہی کہ اُنہون نے ہندو بادشاہون کے زمانہ کے دستور ہی کو قائم رکھکر جزیہ کو اُسپر ازاد کر دیا سب سے پہلے شیر شاہ اور سلیم خان نے بٹائی کی بجائے باقاعدہ طور پر خراج کی تشخیص کا سلسلہ شروع کیا اور اکبر نے اُسے تکمیل کو پہنچایا ۔

اکبر نے زمین کو چار قسموں میں منقسم کیا۔ پولج۔ پروتی۔ چچر اور بنجر اور ہر ایک کیلئے مختلف شرح مقرر کی
پولج وہ زمین تھی جو ہر فصل میں کاشت ہو۔ پروتی جو ایک فصل کاشت ہوا اور دوسری فصل خالی رہے
چچر جو تین چار برس سے افتادہ ہو۔ بنجر جو پانچ برس سے زیادہ مدت سے خالی ہو۔ سب سے زیادہ شرح پولج
کیلئے تھی جسکی اعلےٰ درمیانہ اور ادنےٰ تینوں قسموں کی پیداوار فی بیگہ کی اوسط نکالکر پیداوار کا تیسرا حصہ
سرکاری حق مقرر کیا گیا۔ اعلےٰ قسم کی پولج زمین میں گندم کی پیداوار فی بیگہ اٹھارہ من اوسط کی ۱۲
من اور ادنےٰ کی ۸ من ۳۵ سیر جملہ تین بیگھوں کی ۳۸ من ۳۵ سیر اندازہ کرکے اوسط پیداوار فی بیگہ
۱۲ من ۳۸ سیر نکالی گئی جس کا تیسرا حصہ سرکاری حق مقرر ہوا۔ اسیطرح ہر جنس کی اوسط چند برسوں کے
تجربہ کے بعد قائم کیگئی۔ پروتی جب کاشت ہو تو اُسپر بھی اسی اوسط سے معاملہ لیا جاتا۔ چچر پر
مزروعہ ہونے پر پہلے سال پولج کی اوسط سے ۲/۵ دوسرے برس ۳/۵ اور پانچویں برس جاکر پوری
اوسط کے برابر لیا جاتا۔ بنجر کے مزروعہ ہونے پر پہلے سال پولج کی اوسط کا ۱/۵ حصہ اور چوتھے سال
۳/۴ سے کچھ کم اور پانچویں سال پولج کی اوسط کے برابر لیا جاتا۔

یہ حصہ بظاہر بہت زیادہ معلوم ہوگا۔ لیکن ادنےٰ تامل سے معلوم ہو جائیگا کہ در اصل یہ معاملہ بہت
ہی ہلکا تھا۔ زمیندار کو اختیار تھا کہ ہر کاشت شدہ جنس کی مقررہ اوسط فی بیگہ کے حساب سے کاشت شدہ
رقبہ پر خواہ نقد ادا کرے۔ خواہ غلہ دیدے۔ چنانچہ جب غلہ ارزان ہوتا تھا تو زمیندار فی بیگہ چار من پونے تیرہ سیر
کے حساب سے جنس دیدیتا اور جب غلہ گران ہوتا تو نقدی۔ ہر جنس کی قیمت بھی اوسط پیداوار کیساتھ
ہی مقرر کر دیگئی تھی جس میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی تھی۔ جس فصل زمین کاشت نہ ہو خواہ وہ پولج ہی قسم کی
ہو۔ اُسکی بابت کوئی معاملہ نہ لیا جاتا۔ البتہ اگر زمیندار اس قسم کی زمین سے اس سال یا ہمیشہ کیلئے
چراگاہ کا کام لیتا۔ تو فی ہل چار قلبہ ان مویشی دو گائیں ایک بھینس اور کل بچھڑوں کو چھوڑ کر باقی
ہر فی راس گاؤ ۶ دام اور فی راس گاؤمیش ۸ دام ترنی وصول کیجاتی۔ کارکن کو سخت تاکید تھی کہ وصولی
میں ہرگز تشدد نہ کرے۔ سرکاری مطالبہ مہربانی و شفقت سے وصول کرے۔ اگر کسی آفت ارضی یا
سماوی سے زمیندار کو نقصان پہنچے تو معاملہ کو معاف کرے۔ اور اگر زمیندار کسی وجہ سے کل معاملہ
ادا نہ کر سکے۔ تو بقایا کی وصولی اگلی فصل پر ملتوی کرے۔ اور اُسوقت بھی ہرگز تشدد نہ کرے۔ جو
پیش کردہ سکے لینے سے ہرگز انکار نہ کرے۔ اگر وہ گھسنے سے کسیقدر کم قیمت ہو گیا ہو۔ تو حساب
کرکے کمی پوری کرلے۔ اور اُسکی باضابطہ تحریری یادداشت رکھے۔ اگر زمیندار خود غلہ لانا چاہے تو
کسی متوسط کو مقرر نہ کیا جاوے۔

ان رعایتون کے ماسوا اکبر نے یہ شرح مقرر کرنے پر ادر تمام ٹیکس جزیہ - میر بحری سکر - گاؤشماری ثمر درختی پیشکش - قرق - اقسام پیشہ ور - داروغگانہ - تحصیلداری - فوطہ داری - سلامی وجہ کرایہ خریطہ صرافی - حاصل بازار نخاس - رسن - وکمیل وروغن - ادہوری - کیالی وزانی - مقابلی - دباغی قمار بازی - قتلغہ - ساوری - راہداری - پک (سرداری) دودی - رسم خانہ (بیع مکانات کا ٹیکس) ہونک - بلکٹی (فصل درو کرنیکی اجازت کا ٹیکس) عذہ و پٹی - چونہ - محزات - دلالی - ماہی گیری - حاصل درخت آل ودیگر اقسام ٹیکس جو سائر جہات کہلاتے تھے - یہ سب کے سب معاف کردئے تھے"

ان بیشمار رعایتون کے مقابل صرف اعلےٰ قسم کی زمین کی پیداوار کے تیسرے حصہ کیلئے جابر کبھی زیادہ نہین کہا جاسکتا - گو بادی النظر مین یہ شرح گران ہی کیون نہ دکھائی دے - بلکہ ان رعایتون سے قطع نظر کرکے بھی دیکھا جاے - تو یہ شرح چندان سنگین نہ تھی - پولج زمین ایک طرح سے اسوقت کی نہری زمین کے مشابہ تھی - اکبر کے وقت بھی بہت سی نہرین موجود تھین اور اسپر مقررہ اوسط کے لحاظ سے فصل گندم کیلئے زمیندار کو نقدی مین بالااوسط فی بیگہ عہ یعنی تین روپیہ فی ایکڑ ادا کرنا پڑتا تھا جسکو متذکرہ صدر حبوب و محاصل سے بری کردینے کے علاوہ ابواب دیہی کے آدھے بوجھ سے بھی ہلکا کردیا گیا - پہلے قانونگو اور پٹواری کی تنخواہ کیلئے دو فیصدی معاملہ پر لیا جاتا تھا - حکومت نے قانونگو کی تنخواہ بھی اپنے ذمہ لے لی - اور صرف پٹواری کیلئے ایک فیصدی زمیندار کے ذمہ رہنے دیا - اسکے سوا کوئی اور حبوب نہ تھی - زمیندارون کے ساتھ ہی صناعون اور خانہ دارون کو بھی شاہی مرحمت سے محروم نہ رکھا گیا - اُنپر پہلے دس فیصدی محصول قائم تھا اسے گھٹا کر ۵ فیصدی کردیا گیا۔

ان شرحون کا فاضل مضمون نگار موجودہ معاملہ کی شرح سے مقابلہ کرے - اور دیکھے کہ فی ایکڑ پڑتہ کس شرح کا زیادہ نکلتا ہی - لیکن اس مقابلہ کو صرف معاملہ اراضی کے پڑتہ تک ہی محدود رکھنا ٹھیک نہ ہوگا - اسلامی قانون کے مطابق معادن کے صرف پانچوین حصہ کی حکومت مستحق ہی بقیہ حصہ مالک زمین کا حق ہی یہی دستور غالباً ہندو راجاؤن کے عہد مین ہوگا - موجودہ قوانین مالگذاری کے مطابق ہر قسم کی کان کی مالک سرکار ہی - زمیندار صرف اُس نقصان کا مستحق ہی جو کان کے کھودے جانیکی وجہ سے اُسکی زمین کی بالائی سطح کو پہنچے۔

اکبر کے زمانہ کے بخلاف ناظرین کو معلوم ہوچکے ہین اسوقت معاملہ زمین کے علاوہ پوشت پرست - نمک - افیون - اسٹامپ - آبکاری - پراونشل - اور لوکل ریٹ - جنگلات - رجسٹری - آبپاشی اور کسقدر کے ایسے محصول موجود ہین جنمین سے بعض کا کل اور بعض کا زیادہ تر بوجھ دیہاتی آبادی پر

پڑتا ہو زرعی آبادی اسّی فیصدی ہو۔ مان لیا کہ دہقان شہریون کے برابر نمک افیون۔ اور ولائتی پارچات وغیرہ استعمال نہ کرتے ہونگے۔ اور اسلئے اِن محاصل کی آمدنی کا اسّی فیصدی اُن کی جیب سے نہ نکلتا ہوگا۔ لیکن وہ خواہ کیسے ہی کفایت شعار ہون۔ اس آمدنی کے نصف کا تو یقیناً اُنپر بوجھ پڑتا ہوگا۔ مگر زمیندارون پر معاملہ اراضی کے علاوہ صرف انہی سرکاری محاصل کا باربحصہ رسدی نہیں پڑ رہا۔ بلکہ وہ اور بھی متعدد ٹیکسون کے متحمل ہو رہی ہین۔ جو صرف اُنہی پر عائد ہین۔ شہری آبادی کو ان سے کچھ تعلق نہین۔ چوکیدار کی تنخواہ۔ بندوبست جدید کے وقت پیمائش کے مصارف۔ پٹواری کے مکان کی تعمیر و مرمت کا خرچ۔ سرحدون اور لین اور پرچیون کی تیاری و نگہداشت کے اخراجات۔ داخل خارج کی فیس۔ ملبہ و دہرت (جو بمنزلہ میونسپل ٹیکس کے ہین) مویشی کی چرائی کی ترنی۔ بقایا معاملہ کی دستکون کا طلبانہ۔ یہ سب خرچ اُن کو قانوناً ادا کرنے پڑتے ہین۔ جنکی مجموعی تعداد معاملہ زمین کی میزان سے ہرگز کم نہین رہتی۔ اور پھر ان پر بھی زمیندار کے ایسے مصارف کی تفصیل جنکی ذمہ وار براہ راست یا بالواسطہ طور پر سرکار یا اُسکے عمال ہین ختم نہین ہوجاتی۔ یہ صاف ظاہر ہی کہ اسٹامپ اور کورٹ فیس جسقدر بکتے ہین اُن کی آمدنی کا حصہ کثیر بلاواسطہ یا بالواسطہ زمیندار ہی کی جیب سے نکلتا ہی۔ اگر وہ خود دعوےٰ کرے تو براہ راست کورٹ فیس خریدتا ہی۔ اور اگر اُسپر دعوےٰ ہو۔ تو کورٹ فیس کا خرچ ڈگری ہونیکی صورت مین جو بالعموم اُسکے برخلاف صادر ہوتی ہی مع مصارف اجراے ڈگری اُسپر آپڑتا ہی۔ اسٹامپ کے خریدنے والے اور رجسٹری کرانیوالے بھی عموماً زمیندار ہی ہوتے ہین۔ اور اسمین کوئی کلام نہین کہ ان محاصل کی آمدنی کا اسّی فیصدی نہ سہی پچاس فیصدی تو ضرور زمیندار ہی سے حاصل ہوتا ہی۔ اور یہ صاف ظاہر ہی کہ وکلا کے محنتانہ کا خرچ اسٹامپ اور کورٹ فیس سے بدرجہا بڑھ جاتا ہی۔ یہ کئی لاکھ بیرسٹرون وکلا و مختارون۔ اپیلنویسون۔ عرضی نویسون اور دلالون کی فوج زیادہ تر سادہ لوح مگر جھگڑالو اور تنازع پسند زمیندار کے گاڑھے پسینہ کی کمائی پرہی پرورش پا رہی ہی۔

ان سب زائد محاصل اور مصارف کا اکبر اور اورنگ زیب کے زمانہ مین نام و نشان نہ پایا جاتا تھا۔ اُسوقت زمیندارون کو معاملہ کے سوا اور کسی محصول سے واسطہ نہ تھا۔ بلکہ رشوت کی بھی اسقدر گرم بازاری نہ تھی۔ جس کی نسبت خود ہمارا محترم معاصر مان چکا ہو۔ کہ اسے زمینداری کے لازمی مصارف مین سے سمجھنا چاہئے۔ اگر زمیندار چھوٹے چھوٹے اہلکارون کو بھینٹ نہ چڑھاتا رہے۔ تو اُسکی زندگی چند روز مین نہایت تلخ کردیجاتی ہو۔ موجودہ زمانہ کے معاملہ کی جو مقدار ہمارے ہمعصر بیان کی ہو۔ ہم اُسے بالفرض صحیح مان لیتے ہین۔ مگر وہ اسے اکثر نظرانداز کر گیا ہی۔ کہ اُسوقت زمیندار کو صرف

یہی رقم ادا کرنی پڑتی تہی - اور وہ بہی زمانہ خوشحالی مین - اگر کسی ارضی یا سماوی آفت سے اُسکی فصل برباد ہوجائے - یا پیداوار کم ہوجائے - تو اسی نسبت سے اُسکا معاملہ کم ہوجاتا تہا - اور یہ کمی بطور بقایا اُسکے حساب مین نہین لکہی جاتی تہی - اِس مطالبہ کے سوا - اُسے کوئی اور محصول نہ دینا پڑتا تہا - اور اب جس قدر وہ سرکاری معاملہ ادا کرتا ہے - تقریباً اُسکے برابر رقم اُسے ہر سال صرف قانون پیشہ اصحاب اور اُنکے متعلقین کی نذر کرنی پڑتی ہے - اورنگ زیب نے اکبر کے زمانہ کی نسبت صرف ایک محصول جزیہ کو زیادہ کیا تہا - جو نیز آبادی کے ایک حصہ سے تعلق رکہتا تہا - زمیندارون کو اُسکے زمانہ مین بہی مقدمات کرنے پڑتے تھے - لیکن نہ اشٹام تہا نہ کورٹ فیس - نہ وکیل - نہ ایک ایک مقدمہ چھ چھ اور سات سات برس تک لٹکتا رہتا تہا - وہ رشوت کا جانی دشمن ظلم کا بیخکن - اور سریع تصفیہ مقدمات کی اشد ضرورت - اور فوائد سے بخوبی آگاہ تہا - حکام کی یہ مجال نہ تہی کہ جو دل مین آیا فیصلہ کر دیا - اپیل پر ۵۰ فیصدی مقدمات کا فیصلہ اُلٹ جائے اور اُسے پرواہ نہ ہو - ایک ہی فیصلہ کی منسوخی پر وہ کان سے پکڑ کر علیحدہ کر دیئے جاتے تھے - اور اسطرح فریقین مقدمہ کی فضول طوالت کی سخت زیر باری اور پریشانی سے بالعموم محفوظ رہتے تھے - آجکل فریقین کو اشٹام - کورٹ فیس - خرچہ گواہان - اور محنتانہ وکلا - وطلبانہ وغیرہ کے علاوہ بار بار کی پیشیون مین جو زیر باری اور اُنکے کاروبار مین جو حرج ہوتا ہے - وہ صاف ظاہر ہے اورنگ زیب نے زراعت کے فروغ اور زمیندار کی خوشحالی کے ان مخالف اسباب کا جو انتظام کر رکہا تہا - وہ ناظرین کو "ڈو" صاحب ایک انگریز مصنف مورخ کی مندرجہ ذیل تحریر سے معلوم ہوجائیگا "شہنشاہ مختلف صوبون کی حکومت پر سالہائے دراز تک مامور ہونے اور کاروبار سے مانوس اور اُسکا عادی ہونے کی وجہ سے سرکاری معاملات کے تمام جزو کل سے بخوبی واقف تہا - کوئی چھوٹے سے چھوٹا معاملہ بہی اُسکی نظر سے نہ بچتا تہا - وہ جانتا تہا کہ بادشاہ کی طاقت و قوت رعایا کی خوشحالی اور فارغ البالی پر منحصر ہے - بنابرین وہ ظلم و تشدد کا جانی دشمن اور زراعت و تجارت و صنعت کا بڑا مربی و حامی اور فروغ دلانیوالا تہا - اُسنے اپنی تمام قلمرو مین جان و مال کی کامل حفاظت کا انتظام کر دیا - معدلت گستری کے طریق بہت سہل و صاف اور سابقہ حکمرانون کے عہد کی نسبت بہت جلد فیصلہ پا جانیوالے کر دیئے کسی حاکم عدالت کو رشوت دینا اب پہلی مرتبہ جرم قرار دیا گیا - جو روپیہ عدالتون مین داخل ہوتا اُسکا حساب کتاب کمال صحت و درستی کیساتھ رکہا - اور پرتالا جاتا - اور اگر انفصال مقدمہ مین جس سے توقف ہو تو اس اثنا مین مظلوم فریق کو جو نقصان پہنچا ہوتا - وہ حاکم مذکور سے اُسے دلایا جاتا - دادخواہ کو عدالت ماتحت سے عدالت بالا مین بلا روک ٹوک اور بلا کسی قسم کے خرچ کے اپیل کرنیکا اختیار تہا

لیکن اسکے انسداد کیلئے کہ لوگ اس رعایت سے بلا وجہ موجہ فائدہ اُٹھاکر عدالتون کا وقت ضائع نہ کرین۔ اپیل کنندہ کو اگر فیصلہ عدالت ماتحت کی ناراضگی سے اُسکی اپیل تحقیقات پر بیوجہ اور سفیہانہ پائی جاتی۔ تو سخت جرمانہ کیا جاتا۔ اسیطرح معدلت گستر اگر اُنکے فیصلے منسوخ ہون۔ تو غلطی رائے کی آڑ مین اپنا بچاؤ نہ کرسکتے تھے۔ اگر معاملہ بالکل صاف ہو۔ اور اپیل پر یہ معلوم ہو جائے۔ کہ ایسے فیصلہ کیلئے کوئی وجہ روئداد مین نہین ہی۔ تو یہ باور کرلیا جاتا۔ کہ رشوت یا طرفداری نے اُن کی رائے پر اثر ڈالا۔ اور وہ کان سے پکڑکر اپنے عہدون سے نکالدیئے جاتے۔ اورنگ زیب کو تخت پر بیٹھے چند دن ہی ہوئے تھے کہ ایک اپیل معیت امراء اُسکے سامنے پیش ہوا۔ ابتدائی فیصلہ صریح نامنصفانہ تھا۔ جج بلایا گیا بادشاہ نے بھرے دربار مین اُسے کہا معاملہ بالکل صاف ہی۔ اگر تم ایسے معاملہ کو بھی نہ سمجھ سکے۔ تو تم بہت نالائق آدمی ہو۔ اور اگر رشوت لیکر ایسا کیا ہی۔ تو تم بڑے ظالم ہو۔ اور دونون صورتون مین اس منصب کے لائق نہین۔ پھر سخت ذلت کے ساتھ اُسے دربار سے نکلواکر موقوف کردیا۔

محولہ بالا جائز و ناجائز مصارف کے علاوہ رسد رسانی وغیرہ کی بدولت بھی زمینداروں کو کچھ کم زیرباری نہین ہوتی۔ یہ بالکل درست ہی۔ کہ آج سے پندرہ بیس برس پہلے خواہ کچھ دستور رہو۔ جبکہ فنانشل کمشنر ایسے محض اعلیٰ عہدہ دار بھی دورہ مین زمینداروں سے اکثر ضروریات کا لے لینا جائز ہی نہین۔ بلکہ اُن کو بہم پہنچانا زمینداروں کا فرض سمجھتے تھے۔ اسوقت اکثر اعلیٰ عہدہ دار ڈپٹی کمشنر و کمشنر وغیرہ اپنی ذاتی ضروریات کی قیمت ادا کردیتے ہین۔ اور اکثر ماتحت افسر بھی سر ڈینس فٹز پیٹرک کے اعلان کے وقت سے نہ صرف آٹا گھی کی قیمت بھی ادا کردیتے ہین۔ بلکہ اپنے استعمال کیلئے پلنگ بھی ساتھ لیجاتے ہین۔ لیکن ایسے محتاط افسرون کے حواشی و شاگرد پیشہ کی ضروریات اسوقت بھی بالعموم زمینداروں کو بلا قیمت بہم پہنچانی پڑتی ہین۔ سرکاری ڈاک کے لیجانے اور بوجھ اُٹھانے کیلئے جو بیگاری دیئے جائین وہ علیحدہ رہی۔ قصہ مختصر کوئی گاؤن ایسا ہوگا جسے صرف رسد رسانی کیصورت مین ہر سال اسقدر رقم جنس اور نقدی کی صورت مین خرچ نہ کرنی پڑتی ہو۔ جسکی مقدار سرکاری سالانہ مطالبہ معاملہ اراضی کے دس بارہ فیصدی سے کم ہو۔ اورنگ زیب کے وقت عام امن و امان کا زمانہ چھوڑ سخت خانہ جنگی کے دوران مین ایسے وقت جبکہ ابھی اُسنے تخت پر قبضہ ہی کیا تھا۔ اور سلطنت کے مختلف تین حصون مین تین زبردست رقیبون سے پے در پے معرکے ہو رہے تھے۔ جو کیفیت اسبارہ مین تھی وہ ناظرین کو اُسی انگریز مؤرخ کی مندرجہ ذیل دوسری تحریر سے معلوم ہو جائیگی " شجاع کے ساتھ جو معرکے ہوئے وہ

اورنگ زیب کی توجہ کو سلطنت کے ملکی معاملات کیطرف سے ذرہ بھر بھی نہ ہٹا سکے۔ جب اُسکے تمام احکام و انتظام منصفانہ اور موثر پاسے گئے۔ تو ان لوگون کو بھی جو اُسکے استحقاق وراثت تخت کو تسلیم نہ کرتے تھے۔ یہ ماننا پڑا کہ وہ بہت اچھا حکمران ہی۔ اور لوگ تعجب کرنے لگے کہ ایسا عادل و منصف شخص اپنے بھائیون کیساتھ ایسا ظالم کسطرح ہو سکتا ہی۔ رعایا کو خانہ جنگی سے بالکل خفیف نقصان پہنچا۔ مقابل افواج کے کوچ در کوچ سے رعایا اور فصلون کو جو نقصان پہنچا۔ وہ شاہی خزانہ سے ادا کر دیا گیا۔ ہر رقیب نے اپنی فوج مین کامل انتظام قائم رکھا۔ کیونکہ وہ یہ جانتے تھے کہ گو ہم ایک دوسرے کا مقابلہ کر رہے ہین۔ مگر ملک اپنا ہی۔ دشمن کا نہین۔ اگر کوئی شہزادہ کسی صوبہ پر متصرف ہو جاتا۔ تو وہ اپنے رقیب کے حامیون سے مطلق تعرض نہ کرتا۔ اور ناظرین یہ حیرت انگیز واقعہ معلوم کرکے متعجب ہونگے۔ کہ ایسی طویل اور پیچیدہ خانہ جنگی اور معرکہ آرائی مین خاندان تیموریہ کے افراد کے سوا ایک فرد واحد بھی در پردہ یا بحکم عدالت قتل و ہلاک نہ کیا گیا۔

جب خانہ جنگی مین یہ حالت تھی تو کامل امن کے زمانہ مین اورنگ زیب ظالم عمال سے رعایا کے حقوق کی جیسی نگہداشت کرتا ہوگا۔ اسکا بآسانی اندازہ ہو سکتا ہی۔ مصیبت کیوقت وہ جیسی کشادہ دلی سے رعایا کی دستگیری بلا تامل کرتا تھا اُسکی حقیقت اسی مورخ کی اس تحریر سے واضح ہو جائیگی۔ شاہ عالم کو ولی عہد مقرر کرنے کی خوشی کے دوران مین اورنگ زیب کی تخت نشینی سے تیسرے ہی برس دربار مین ایک ہولناک مصیبت کے وارد ہونے کی خبر پہنچی۔ وہ یہ تھی کہ غیر معمولی امساک باران سے جسنے فصلون کو بالکل جلا دیا ہی۔ ہندوستان کے مختلف قطعات مین سخت قحط نازل ہو گیا ہی۔ اس خبر کے ملتے ہی عالمگیر رعایا کی دستگیری پر کمربستہ ہو گیا۔ اور ایسی بے نظیر ہمدردی دکھائی جس کی ایسے شخص سے جو اپنے خاندان سے اسطرح پیش آیا ہو ہرگز امید نہ ہو سکتی تھی۔ اس نے کل معاملہ معاف کر دیا۔ اور جو محاصل وصول ہو چکے تھے۔ اُن کو غلہ کی خریداری پر خرچ کرکے غربا مین تقسیم کر دیا۔ اسنے اسی پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ بنگال اور پنجاب سے جن دونون صوبون کو دریاؤن کی موجودگی اور سیر حاصل ہونیکی وجہ سے کچھ نقصان نہ پہنچا۔ تری اور خشکی کے راستہ غلہ منگوا کر اندرونی صوبون مین بھیجنے پر شاہی خزانہ سے بے انتہا روپیہ خرچ کیا۔ اسنے غلہ منہ مانگی قیمت دیکر خرید لیا۔ اور پھر بہت سستے نرخ پر فروخت کیا۔ جو خریدنے کی استطاعت نہ رکھتے تھے۔ انکے لیے جابجا منڈیان لگا کر مفت غلہ تقسیم کیا۔ الغرض شہنشاہ کی اس تحیر افزا مستعدی اور اسکے عاقلانہ حسن انتظام اور خوبی تدبیر کے سلطنت کے ہر حصہ و گوشہ کے فلاکت زدگان کو عین وقت پر مدد

پہنچ گئی۔ سالم صوبے کے صوبے کامل بربادی سے جو انکے سر پر منڈلا رہی تھی۔ چھڑا لئے گئے۔ اور کروڑون بندگان خدا کی جانین بچائی گئین۔ اور اس پدرانہ و مشفقانہ نوازش سے تمام رعایا اسکی عاشق شیدا ہوگئی۔ اور سب اسے خداوند کریم کی خاص رحمت سمجھنے لگ گئے" ان واقعات اور اس تفصیل کے مطالعہ کے بعد کیا ہمارے محترم ہمعصر کا لائق مضمون نگار از روے انصاف یہ کہنے پر اصرار کرسکتا ہے۔ کہ شاہان مغلیہ عہد کی نسبت اسوقت زمیندار سرکار کو بہت کم روپیہ دیرہے ہین۔ اگر ابوالفضل نے سرکاری معاملہ کی صوبہ وار تفصیل نہ دی ہوتی۔ تو شاید ہمین یہ ماننا پڑتا۔ کہ معاملہ کی صورت مین اکبر یا اورنگ زیب زمیندارون سے سرکار انگریزی کی نسبت کچھ زیادہ مالیہ وصول کرتے تھے لیکن اس تفصیل نے ہمین اس اعتراف سے بھی روک دیا۔ بطور مثال صرف ایک صوبہ اودھ کے مالیہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ اکبر کے زمانہ مین حالانکہ اسوقت گورکھپور کا ضلع بھی اسکے ساتھ شامل تھا۔ اسکے سالانہ مالیہ کی مقدار معہ مواجب سیورغل (ان زمینون کا معاملہ جو علماء و محتاجین وغیرہ کو بطور امداد معاش دیگئی تھین) پچاس لاکھ ۴۳ ہزار ۹۵۴ روپیہ ۴ رہتی جو موجودہ مالیہ سے بہت ہی کم ہے۔

فاضل مضمون نگار کا بیان ہے۔ کہ سرکار پیداوار کے ½ حصہ کی مستحق ہے۔ اور کہ وہ زمیندارون سے بالاوسط کل پیداوار کا ۵۰ فیصدی معاملہ کی صورت مین لیرہی ہے۔ سطور مندرجہ بالا سے ناظرین پر واضح ہوگیا ہوگا کہ کل پیداوار کا ½ حصہ آجتک کسی بادشاہ نے اپنا حق نہین بتایا۔ خاص اشد ضرورت کیوقت ہندو زمانہ حکومت مین حاکم وقت صرف ½ تک لے سکتا تھا۔ اور یہی ابتدائی مسلمان بادشاہون کا دستور رہا۔ اکبر نے ایک خاص قسم کی زمین کی پیداوار کا تیسرا حصہ سرکاری حق قرار دیا مگر اسکے مقابل باقی تمام محاصل معاف کردیے۔ اور اس تیسرا حصہ لینے کے باوصف اسکے مالیہ کی مقدار اسوقت کے مالیہ سے بحساب فی ایکڑ زیادہ نہ تھی۔ اور اورنگ زیب نے ذکر جزیہ زائد محاصل کی معافی کو بحال رکھنے کے ساتھ ہی زمیندارون کی بربادی کے دو اہم اسباب مقدمہ بازی کے مصارف رسد رسانی۔ اور رشوت کا کامل انتظام کیا۔ اور ان تمام رعائیتون سے بڑھکر سب سے بڑی رعایت زمیندار کے حق مین یہ تھی۔ کہ پیداوار ہونے پر سرکار اس سے کچھ لیسکتی تھی۔ کمی بیشی مین اسکے ساتھ شریک تھی۔ اور یہ امر مالک کے اختیار مین تھا۔ کہ خواہ نقدی دے یا سرکار کو اسکے حصہ کا غلہ دیدے۔ اسکے مقابل انگریزی عہد مین آیسے اعداد و شمار اور حساب کی بنا پر جس کی صحت کبھی متیقن نہین ہوسکتی۔ چند سالہ پیداوار کی علے الحساب اوسط نکالکر دس یا بیس

یا تیس برس کیلئے ایک سالانہ رقم نقدی مین مقرر کردیجاتی ہی۔ زمیندار کا کچھ پیدا ہو یا نہو۔ یا اسے مزارعین سے کچھہ وصول ہو یا نہو۔ وہ بمطالبہ وقت پر نقدی مین ادا کرنیکا قانونًا پابند ہی۔ وصولی مالگذاری کے قاعدہ کی اس صلابت کے ساتھ زائد محاصل و مصارف کو شمار کیجیے۔ اور ان کی اوسط نکالئے تو معلوم ہوجائیگا۔ کہ آیا کس عہد مین زمیندار کی پیداوار کا زیادہ حصہ سرکاری خزانہ مین داخل ہوتا تھا۔ اور اب کیون زمیندار دن بدن مفلس ہوتے جاتے ہین۔ اکبر و اورنگ زیب کیوقت زمیندار کو صرف معاملہ دینا پڑتا تھا۔ اب اسے مین ۲ سے زیادہ دیگر محاصل کا جنکی مجموعی مقدار خارج از مالیہ سے کسیطرح کم نہین رہتی۔ اور کئی ایسے مصارف کا جن کی ذمہ دار گورنمنٹ ہی یا جوان کا آسانی تدارک کرسکتی ہی اور جنکی مجموعی مقدار مالیہ کی رقم سے چہار چند سے بھی بڑھ جاتی ہی متحمل ہونا پڑتا ہی۔ جنکا اولین زمانون مین نام و نشان نہ تھا۔ مقدمہ بازی قلیل الصرف ہی نہ تھی بلکہ تنازعات کی جدید ذریعون کی عدم موجودگی کے باعث مقدمات کی تعداد بھی نسبتًا بہت کم تھی اور معاملہ کی صورت مین بھی زمیندار کو یہ رعایت حاصل تھی۔ کہ وہ ایک مقررہ سالانہ رقم کی ادائیگی جس مین میعاد مقررہ تک کمی بیشی نہین ہوسکتی تھی۔ پابند نہ تھا۔ اندرین حالات منصف مزاج مضمون نگار خود ہی فیصلہ کرسکتے ہین کہ آیا زمیندار رحم و رعایت و پرورش کے مستحق ہین۔ یا کہ استقلال کے انسداد کر بہانہ یا فوجی ضروریات کے نام سے مزید مطالبات کے آماجگاہ بنائے جانیکے مستوجب ہین؟ انکو معلوم ہی کہ وطن یہ نہین کہتا کہ زمیندارون کی افلاس کیوجہ محض سرکاری معاملہ ہی۔ وہ سوائے اسراف دیگر بواعث جنکو قحط کمیشن نے بیان کیا ہی بالکل صحیح تسلیم کرتا ہی۔ بلکہ اس کمیشن کی رپورٹ سے سالہا سال پیشتر خود ان کی توضیح کرکے گورنمنٹ کو انکے انسداد کیطرف توجہ دلا چکا ہی۔ مگر وہ اسکے دہرانے سے ہرگز باز نہین رہسکتا کہ سرکاری معاملہ کی روز افزون زیادتی اس کی وصولی کے قواعد کی صلابت و سختی اور پیداوار کی علے الحساب اوسط پر کئی برسون کیلئے نقدی مین سالانہ مدار کا معین کیا جانا ان کل امور اور خاصکر اول الذکر کو زمیندارون کے روز افزون افلاس مین بہت بڑا دخل حاصل ہی جس کا بین ثبوت بنگال کے زمیندارون کی حالت سے ملرہا ہی۔ ان لوگون کو بھی وہ تمام زائد مصارف و محاصل برداشت کرنے پڑتے ہین علاوہ ان تمام ممکنات ادوم قوات سے سابقہ رہتا ہی جو باقی تمام ملک کے زمیندارون کو ادا کرنے پڑتے ہین اور پیش آتے ہین۔ ان کو آخر الذکر پر صرف یہ فضیلت حاصل ہی۔ کہ ان کو ایک سو دس برس سے وہی معاملہ دینا پڑتا ہی۔ جو شروع مین مقرر کیا۔ اسپر ایک حبہ زائد نہین ہوا۔ اور باقی علاقون کے زمیندارون کا معاملہ بڑھتا رہا ہی۔ پس اگر

ان دونون جماعتون کی حالت مین کوئی فرق دکھائی دے۔ تو اسکا سبب اس اختلاف کے سوا اور کچھ نہین ہوسکتا۔ اب رہا یہ سوال کہ آیا فرق ہی۔ اسکا جواب بالکل مشکل نہین۔ زمین و آسمان کا فرق کس سے مخفی رہسکتا ہی۔ اگر ایک فلاکت مین لوٹ رہی ہیں۔ تو دوسرے لاکھون روپیہ مین کھیل رہی ہین۔ ایسی زبردست شہادت کی موجودگی مین کیا انصاف پسند نامہ نگار کہسکتا ہی کہ وطن کا دعویٰ غلط ہی۔ تقسیم در تقسیم کے اثر سے معاملہ کی نرمی یا سنگینی ……… کا کچھ واسطہ نہ ہونے کی ادعا کا گذشتہ نمبر مین بالاختصار شافی جواب دیا جا چکا ہی۔ آئندہ نمبر مین انشاء اللہ العزیز فاضل نویسندہ کے اس موثر بیان پر بحث کیجائیگی۔ کہ مالکان زمین کو سرکاری معاملہ کی نسبت بارہ بلکہ پندرہ گنہ منافع ہوتا ہی۔ اور بعونہ یہ ثابت کیا جائیگا کہ اس مین اسکو عجیب مغالطہ ہورہا ہی جسکی تردید ہر ایک محال زبان حال سے کر رہا ہی۔

ناظرین کو فریق ثانی کے جواب مندرجہ وطن ۶ ستمبر سے واضح ہوچکا ہی کہ وہ مالکان زمین کو سرکاری معاملہ کی نسبت بارہ بلکہ پندرہ گنا فائدہ ہونیکے قیاس پر برابر قائم ہی۔ اور وطن کے انکار کو درست تسلیم نہین کرتا۔ اس بارہ مین فاضل مضمون نگار نے اپنی دوسری تحریر کو پہلی تحریر کی نسبت کسی قدر مہمل اور ذومعنی سا کردیا ہی۔ اولین تحریر مین جسکا جواب ۱۲ اگست کے وطن مین دیا گیا۔ یہ بیان کیا گیا تھا کہ مالک اپنے مزارعہ سے سرکاری معاملہ کی نسبت عموماً سات سے لیکر دس گنا زیادہ فائدہ حاصل کرتا ہی۔ اسکی تشریح اسطرح کیگئی تھی کہ سرکار کل پیداوار کا صرف چھ فیصدی لیتی ہی۔ اور مالک عموماً مزارعین سے نصف سے لیکر ۲/۳ تک یعنی پچاس سے لیکر ۶۶ فیصدی تک کل پیداوار کا حصہ بٹائی مین لیتے ہین جسمین سے ۶ فیصدی سرکاری مطالبہ وضع کرنیکے بعد انکو اپنے مزارعہ سے ۴۴ سے لیکر ۶۰ فیصدی تک پیداوار کا حصہ خالص فائدہ مین ملتا ہی۔ اپنی دوسری تحریر مطبوعہ سول ملٹری ۳۰ اگست مین جسکا ترجمہ ۶ ستمبر کے وطن مین شائع ہوا۔ فاضل نویسندہ مزارعہ کی تخصیص کو اٹھا کر صرف یہ الفاظ لکھتا ہی۔ کہ "مالک اراضی کا اوسط منافع سرکاری مطالبہ سے پندرہ گنا سے کم نہین۔ بلکہ کچھ زیادہ ہی ہی" اس فقرہ کے دو معنی سمجھے جاسکتے ہین۔ ایک یہ کہ مالک کو مزارعہ سے جو آمدنی ہوتی ہی وہ سرکاری مطالبہ ادا کردینے کے بعد مطالبہ مذکور سے پندرہ گنا ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ مالک اراضی خود ہی کاشتکار ہو۔ اور اُسے کل پیداوار اسقدر ہوتی ہی جو سرکاری مطالبہ کے وضع کرنیکے بعد اس سے پندرہ گنا باقی بچتی ہی۔ جس اندازہ کی رو سے صاحب ممدوح نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہی۔ وہ بتلا رہا ہی کہ جوابی تحریر کیوقت ان کے ذہن مین بھی دوسری صورت تھی۔ حالا

بحث درحقیقت اول صورت پر ہو رہی تھی - اس سے خواہ مخواہ یہ قیاس کرنا پڑتا ہی کہ صاحب ممدوح نے اپنے پہلے بیان کو ناقابل تصدیق و تائید پاکر الفاظ کے اُلٹ پھیر سے بحث کو دوسری صورت پر منتقل کرنے کی کوشش کی ہی - اور وہ طرح دیجانیسے اسے ایک طرح تسلیم کر گئے ہین کہ مالک کو مزارعہ سے سرکاری مطالبہ سے سات یا دس گنا زیادہ خالص آمدنی ہونیکا اندازہ صحیح نہ تھا - اور کہ وطن کا یہ بیان ناقابل تردید ہی - کہ بہت کم ایسے مالک ہین جنکو اپنے مزارعین سے سرکاری مطالبہ کی مقدار سے زیادہ خالص آمدنی ہوتی ہو - اکثر کو مزارعین کے لگان سے صرف اسقدر آمدنی ہوتی ہی کہ سرکاری معاملہ نکالکر اس مین سے بمشکل مطالبہ سرکاری کے برابر باقی بچتی ہی -

ہمعصر سول کے اس مسئلہ سے پہلو بچاجانے سے گو اسپر مزید بحث کرنے کی ضرورت نہین رہگئی اور اسکا اغماض وطن کے بیان کی صداقت کی کافی شہادت سمجھا جا سکتا ہی - اور اسصورت مین ہمین صرف قابل مضمون نگار کی اختیار کردہ نئی توجیہ سے بحث کرنا باقی رہجاتا ہی - لیکن ہم صاحب ممدوح کے جدید بیان سے فارغ ہوکر انکے مزید اطمینان کیلئے مالک و مزارعہ والی صورت کو متعلق واقعہ اور حالات بھی پیش کرنیکی کوشش کرینگے -

نئی صورت مین بھی فاضل نویسندہ نے کل عمارت ایک نہایت کمزور بنیاد پر کھڑی کی ہی - اور مزید برآن ایک ایسی جماعت کے حالات سے کل زرعی آبادی کے متعلق اپنی رائے قائم کی ہی - جو آبادی مذکورہ کا بہت تھوڑا سا حصہ ہی - یہ اُنسے اُسی قسم کی غلطی ہوگئی ہی - جو انہون نے وطن کیطرف منسوب کرنی چاہی تھی - کہ اس نے صرف ایک خاص قوم کے حالات سے یہ قیاس کر لیا ہے کہ کل زمیندار ایسے ہی ہیں وہ عنقریب یہ ثابت کردیگا کہ وہ ایسی غلطی کا مرتکب نہین ہوا - لیکن صاحب ممدوح اسے ہرگز ثابت نہین کر سکینگے - کہ ہندوستان کی زرعی آبادی کلہم خود کاشت کرنیوالے مالکان اراضی پر محدود ہی - ایسی صورت زیادہ تر صرف پنجاب کے چند اضلاع یا دکن مین ہی پائی جاتی ہی - بنگال ممالک مغربی شمالی و اودھ اور پنجاب کے اکثر علاقون مین تابع مرضی مالک مزارعین کی تعداد خود کاشت مالکون سے اگر بڑھی ہوئی نہین - تو کسیطرح کم بھی نہین - ایسے مالکون کی تعداد جنکی زمینین کلہم یا ان زمینون کا حصہ کثیر مزارعین کاشت کرتے ہون خود کاشت مالکون سے کم پائی جائیگی - پس جو اندازہ صرف خود کاشت مالکون کی آمدنی کے متعلق لگایا جائے درست ہونے کی صورت مین بھی کل مالکان اراضی پر کبھی حاوی نہین ہو سکتا - مگر وہ اندازہ ان محدود جماعت کے متعلق بھی یقیناً درست نہین -

صاحب ممدوح کے الفاظ یہ ہین:-

وطن ہمارے بیان کی مخالفت کرکے کہتا ہو کہ "مالک زمین کو اس قدر منافع نہین ہوتا جسقدر کہ تصور کیا گیا ہو۔ مالک کا فائدہ سرکاری مطالبہ وجوب کے برابر ہو جائے۔ تو ہو جائے لیکن اسکی مقدار اس سے زیادہ شاذونادر ہی ہوتی ہو" مگر خود کانگریس کے اجلاس منعقدہ لاہور کا پریسیڈنٹ تسلیم کر چکا ہے۔ کہ مالک کو بالاوسط سرکاری مطالبہ سے بارہ گنا فائدہ ہوتا ہو۔ اس نے اندازہ لگایا تھا۔ کہ ملک کی تمام زرعی پیداوار کی مالیت کو اگر زرعی آبادی پر پھیلایا جائے تو فی کس بیس روپیہ پرتہ پھیلتا ہو۔ اور سرکاری مطالبہ وجوب کا پرتہ بالاوسط فی کس عہ۔ ہم اپنے پہلے مضامین مین دکھا چکے ہین کہ کل پیداوار کا اندازہ اصل مقدار سے بہت کم ہو اور کہ مالک اراضی کا اوسط منافع سرکاری مطالبہ سے پندرہ گنا سے کم نہین۔ بلکہ کچھ زیادہ ہی ہو۔ تاہم مسٹر چندراورکر کا بارہ گنا فائدہ ہونیکا اندازہ بھی یہ ثابت کرنے کیلئے کافی سے بڑھکر ہو۔ کہ زمین کیسی فائدہ بخش چیز ہو۔ اور کیون متمول اسپر روپیہ لگانے کیلئے ایسے بیتاب دکھائی دیتے ہین۔

اس تحریر مین ہمارے محترم ہمعصر کو چند در چند مغالطے ہوئے ہین۔ اولاً وہ کل عمارت پھر قیاسی اعداد وشمار پر کھڑی کرتا ہو۔ جنکی نسبت وطن ۲۰ر اگست کی تحریر مین صاف لکھ چکا ہو۔ کہ یہ کبھی مسکت اور اطمینان بخش نہین ہوسکتے۔ کاغذی حساب وکتاب اور چیز ہے اور واقعات اور چیز۔ چنانچہ اعداد وشمار کی نسبت بعینہ یہی رائے خود ہمارے ہمعصر کو اپنے ۹ ستمبر کے پرچہ مین بائونیر سے جنسکی کاشت کے نفع و نقصان پر بحث کرتے وقت ظاہر کرنی پڑی۔ اسکے الفاظ یہ ہین "اعداد وشمار کسی تھیوری (قیاس یا رائے) کے سہارے کا کام دینے کیلئے خواہ کیسے ہی مفید ہون مگر اسکی بنیاد کا کام ہرگز نہین دے سکتے۔" مگر اس اصول کو وہ اپنے ۳۰ر اگست کے لیڈر مین نظرانداز کرکے منافع مالکان کی بحث کے متعلق اپنے تمام بیانات کی بنیاد کا کام محض اعداد وشمار سے لیتا ہو۔ دوم۔ وہ فی کس کا اوسط کل پیداوار کو ایک ہی چیز سمجھ رہا ہو۔ حالانکہ ایک بچہ بچہ بھی جانتا ہو کہ کل اصل فی اور منافع مین زمین و آسمان کا فرق ہو۔ ہم مان لیتے ہین کہ مسٹر چندراورکر کے پیش کردہ اعداد بالکل درست ہین نہین بلکہ یہ بھی مان لیتے ہین کہ وہ اصل مقدار

سے کم ہین۔ اور بقول فاضل مضمون نگار سوا سے ہونے چاہئین تھے۔ اور کہ کل زرعی پیداوار
کی مالیت کا پرتہ فی کس عسہ نہین عہ ہے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ کسطرح نکال لیا گیا ہی
کہ زمیندار کا اوسط منافع سرکاری معاملہ سے جسکا پرتہ فی کس بالا وسط عہ ہی پندرہ یا سولہ گنا ہی۔ اور
کل آمدنی کے الفاظ کسطرح کیمیائی کی مدد سے منافع کے لفظ کی شکل مین بدل دئیے گئے۔
منافع کا لفظ تب ہی استعمال ہو سکتا ہی۔ جبکہ زمیندار کا کل خرچ جو اس پیداوار کے حاصل کرنے پر ہوا
وضع کر دیا گیا ہو۔ اسکی اپنی اور مویشی کی محنت۔ تخم و مویشی و آلات و لوازمات زراعت کی قیمت
و مرمت کے خرچ۔ اور کمیون کے مواجب یعنی صرف انہین مصارف کو جمع کرو جو خالصتاً اس
پیداوار کے حاصل کرنے کیلئے اٹھائے گئے۔ غیر زرعی مصارف کو بالکل خارج از بحث رکھو اور
باوجود اسکے پھر دیکھو کہ اس عسہ یا عسہ مین سے فائدہ تو درکنار سرکاری معاملہ کیلئے بھی
کوئی کوڑی بچتی ہی اور کیا زمین ویسی ہی فائدہ بخش چیز رہنے دیگئی ہی۔ جیسا کہ اسکی نسبت ہمارے فاضل
دوست کا خیال ہی یقین ہی۔ کہ اس تشریح سے اُسے اپنی غلط فہمی پر کماحقہ آگاہی حاصل ہو گئی ہوگی
اور اسپر یہ ہویدا ہو گیا ہوگا۔ کہ بلحاظ فائدہ برداری خود کاشت مالکان اراضی کیحالت مزارعین کے
ذریعہ کاشت کرنے والے مالکوں سے اگر بدتر نہین تو اچھی بھی نہین۔ سب سے بڑی غلط فہمی ہمارے
مکرم ہمعصر کو یہ نظر آتی ہی کہ وہ بار بار کل پیداوار اراضی کی فرضی مالیت اور بٹائی کی شرحون پر اپنے دلائل کو
مبنی کرتا ہی۔ حالانکہ ان اعداد سے بڑھکر دھوکہ دینے والی کوئی چیز نہین۔ کیونکہ اگر یہ درست بھی ہون
تو اس سے یہ لازم نہین آتا کہ ہر سال اسیقدر پیداوار ہو۔ اگر ہو بھی تو صوبہ بنگال اور نہری علاقون
کی پیداوار کو وضع کیا جائے تو باقی علاقون کی پیداوار کی مقدار بہت ہی تھوڑی رہجاتی ہی۔ اور اُسے
اگر ان علاقون کی زرعی آبادی پر پھیلایا جائے تو فی کس اوسط آٹھ دس روپیہ سال سے کبھی
زیادہ نہین نکل سکتی۔ ہمارے ہمعصر کو یہ ماننے سے انکار نہین ہوگا۔ کہ بٹائی کرنیوالے مالکون
کی مالی حالت نقد لگان۔ لینے والون سے کچھ ایسی اچھی نہین دونون فریق اس لحاظ سے یکسان
ہین۔ اور یہ بھی مسلم ہی کہ سرکاری معاملہ کا پرتہ بھی ہر دو فریق پر یکسان ہے یعنی اس سے صاف
یہ نتیجہ نکلرہا ہی کہ اول الذکر کو اپنی زمین سے آخر الذکر کی نسبت کچھ زیادہ فائدہ نہین ہوتا۔ اسیطرح
تشخیص بندوبست کا یہ ایک موٹا سا اصول ہی کہ مالک اراضی پر اسکی آمدنی لگان کے نصف کے
برابر بالعموم سرکاری معاملہ تشخیص کیا جائے یعنی اسکی خالص آمدنی سرکاری مطالبہ کے برابر ہوتی
ہے۔ تو بٹائی والون کے لیئے یہ کسطرح نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ انکی آمدنی سرکاری مطالبہ کی نسبت

دس یا آٹھ گنا ہوتی ہے۔ اودھ میں جدید بند وبست کے وقت ایک روپیہ آمدنی لگان پر ۱۰ار تک سرکاری مطالبہ تشخیص کیا گیا۔ اور جب دوامی بند وبست بنگال میں تشخیص ہوا تو اسے مالکان زمین کی موجودالوقت آمدنی لگان کے نوے فیصدی کے برابر مقرر کیا گیا۔ مالک کے لیئے صرف دس فیصدی فائدہ چھوڑا گیا۔ اب لوگون کی اگر آمدنیان بڑھی ہیں تو محض بنجر و افتادہ زمینون کے آباد ہوجانے سے۔ جن پر سرکار کوئی معاملہ بعد میں نہ لگا سکی۔ بعض ایسے دیہات ہیں جہان عموماً مالک ہی کاشت کرتے ہیں۔ اور محالون کے رقبے تقسیم در تقسیم سے بہت چھوٹے رہگیئے ہیں۔ بیشک وہاں لگان سرکاری معاملہ سے پانچ گنا زیادہ بھی لے لیا جاتا ہے لیکن ایسی صورتیں بہت شاذ ہیں۔ اوران میں بھی یہ لگان دینے والے عموماً ہمسایہ مالک ہی ہوتے ہیں۔

جہان زیادہ تر مزارع کاشت کرتے ہیں اس جگہ لگان کا پرتہ عموماً سرکاری معاملہ سے دوچند کے ہی برابر ہوتا ہے۔ ذیل میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کیجائیگی کہ زمین درحقیقت ایسی فایدہ بخش چیز نہیں جیسی کہ ہمارا محترم دوست سمجھتا ہے۔ اور کہ اس کے باوصف پھر کیون متمول اسپر روپیہ لگانے کے لیئے ایسی بیتابی دکھاتے ہیں۔

ہمعصر موصوف کے اس بیان کی تردید سے کہ مالک کو مزارعان سے یا اپنی زمین سے سرکاری مطالبہ کی نسبت بارہ یا پندرہ گنا فائدہ ہوتا ہے۔ ناظرین اور خود ہمعصر کو یہ متحقق ہوگیا ہوگا کہ زمین فی الواقع ایسی فایدہ بخش چیز نہیں رہنے دیگئی جیسی کہ وہ سمجھی گئی ہے زمین کی بیش قیمتی کا جو اندازہ ہمعصر سول کے مضمون نگار نے بارہ یا پندرہ گنا فایدہ ہونے کے مطابق اپنے دل میں قایم کیا تھا۔ اس میں یہ ثابت ہوجانے سے کہ مالک کی آمدنی سرکاری معاملہ سے عموماً صرف دوچند ہوتی ہے۔ اسی نسبت سے ترمیم ہوگئی ہوگی لیکن بدین خیال کہ شاید اُسے ابھی کچھ شبہ باقی رہ گیا ہو۔ اس مسئلہ پر چند مزید ریمارک گذارش کیئے جاتے ہیں۔ پنجاب کا کل مزروعہ رقبہ (نہری۔ چاہی و بارانی) دو کروڑ ہی لاکھ ایکڑ کے قریب ہے۔ اور خالص سرکاری مطالبہ معاملہ زمین حسب دیہی۔ نہری آبیانہ اور خوش حیثیتی کو علیحدہ رکھکر بالاوسط دو کروڑ ۲۲ لاکھ روپیہ ہے یعنے اوسط معاملہ فی ایکڑ ۱۵ کے قریب پھیلتا ہے۔ اور یہ پچھلے مضمون میں دکھایا جاچکا ہے۔ کہ مالک کی کل آمدنی مطالبہ سرکاری سے دوچند یا اس کا خالص منافع اس مطالبہ کے برابر رقم سے شاذ ہی

زیادہ ہوتا ہے۔ اس اندازہ کے مطابق مالک کی خالص آمدنی بھی فی ایکڑ ۱۵ر کے قریب ہوئی۔ پنجاب کی سالانہ ریونیو رپورٹ بابت ۱۹۱۰-۱۸۹۹ء میں بیع شدہ اراضیات کی اوسط قیمت فی ایکڑ اسی روپیہ بتائی گئی ہے۔ گویا اس ۱۵ر میں اسی روپیہ سالانہ کا منافع زمین کے آباد کرانے کے تردد کا معاوضہ مزارعان سے معاملہ وصول کرنے کے اخراجات اور دیگر تمام مصارف جو سرکاری معاملہ کے ماسوا مالکانِ اراضی کو عموماً برداشت کرنے پڑتے ہیں شامل ہیں۔ اس حساب سے زمین کی اصل مالیت یا سرمایہ کے منافع کے حصہ میں ۱۵ر کی رقم سے آٹھ دس آنے سے زیادہ نہیں آتے۔ لیکن آسانی کیخاطر ۱۵ر کی کل رقم کو بھی اگر زمین کی مالیت کا منافع سمجھ لیا جائے تو شرح منافع ۱۲ فیصدی سالانہ سے زیادہ نہیں پھیلتی۔ جس جائداد سے ۱۲ فیصدی سالانہ منافع ہو۔ کیا اسے کوئی متنفس بھی قیمتی اور فایدہ بخش کہہ سکتا ہے۔ اس وقت دنیا میں کوئی انوسٹمنٹ سرکار انگریزی کے تمسکات یا سرکاری سیونگز بنکوں سے زیادہ محفوظ و مصئون اور آرام دہ نہیں ہے روپیہ جمع کرنے والا یا تمسکات کا قابض جب چاہے نقد روپیہ لے سکتا ہے اسے اس جائیداد سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے روپیہ جمع کرا دینے یا تمسک خرید لینے کے سوا کسی قسم کا دردسر نہیں اٹھانا پڑتا۔ منافع کی وصولی کے لئے بھی اسے کچھ تردد نہیں کرنا پڑتا۔ اگر وہ چاہے تو ضلع کے خزانہ یا بنیک میں جانے کی بھی اُسے تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ ان بے انتہا آسائیوں اور روپیہ کی حفاظت و سلامتی کیطرف سے کمال بفکری ہونے کے باوصف وہ ۳ سے لیکر ۴ تک فیصدی سالانہ منافع حاصل کرتا ہے۔ اور مالک زمین ہزاروں جوکھم اور سینکڑوں تکالیف اور دقتوں بلکہ خطرات سے ہمیشہ گھرا رہنے کے باوجود اپنی جائداد سے ۱۲ کا فایدہ اُٹھاتا ہے۔ ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا۔

اس خالص منافع زمین کے اندازہ کو ممکن ہے کئی ہمارے زمیندار بھائی بھی بہت کم تصور کریں۔ وہ اپنے سامنے کئی ایسی مثالیں دیکھیں گے کہ مالکانِ زمین اپنی زمینوں سے سات آٹھ روپیہ سالانہ فیصدی کے حساب سے فایدہ حاصل کر رہے ہیں لیکن جب ان کے مقابل وہ ان زمینداروں کی حالت پر بھی نظر دوڑائیں گے جنکو کچھ فایدہ نہو تو درکنار بسا اوقات سرکاری معاملہ بھی اپنی گرہ سے ادا کرنا پڑتا ہے تو ان کو اطمینان ہو جائیگا۔ اگر وہ ایک طرف بڑے بڑے رقبوں کے بعض مالکوں کو عیاشی و بیکاری

میں ہزاروں روپیہ لٹاتے ہوئے دیکھیں گے تو ویسے ہی کئی کئی سو ایکڑ زمین کے مالکوں کو کسی ذاتی قصور یا خرابی کے لئے نہیں بلکہ محض قلت آمد کے باعث نانِ شبینہ تک کا محتاج اور محنت مزدوری کرکے شکم پوری کرتے ہوئے پائینگے۔ اوسط ہمیشہ سب قسم کے افراد کی حالت کا اندازہ کرکے نکالی جاتی ہے۔ سرکاری مطالبہ کئی علاقوں میں تین روپیہ ایکڑ سے بھی زیادہ ہے۔ اور بعض جگہ پر ۸/ ایکڑ سے بھی کم ہے۔ لیکن باینہمہ جسطرح انکی اوسط ۱۵/ فی ایکڑ حسابی طور سے درست ہے ویسے ہی زمیندار کے خالص منافع زمین کی اوسط شرح ۴ فیصدی سالانہ صحیح ہے۔

اِس موقع پر ضمناً موجودہ طریق وصول مالگذاری اور عہد مغلیہ کے طریق وصولی کے باہمی تفاوت کے اثر و نتیجہ کا ذکر کر دینا بے محل نہ ہوگا۔ متذکرۂ صدر سرکاری رپورٹ میں تسلیم کیا گیا ہے کہ سال زیر ریویو میں ۳۰ ملین ایکڑ میں سے ۱۵ ملین (ڈیڑھ کروڑ ایکڑ) پر مطلقاً کچھ فصل نہ ہوئی۔ کل مزروعہ رقبہ کے نصف سے زیادہ حصہ پر یا تو سرے سے کاشت ہی نہ ہوئی۔ یا کاشت شدہ فصل کامل طور پر برباد اور خراب ہوگئی۔ عہد مغلیہ میں جسکی آمدنی معاملہ کو ہمارا لایق مضمون نگار موجودہ مطالبہ سے بہت زیادہ بتاتا ہے سرکار خود کوئی مزید رعایت نہ کرتی۔ اسے طبعاً اس پندرہ ملین ایکڑ کیلئے ایک حبہ وصول نہ ہوتا۔ یعنے سالانہ مطالبہ میں سے نصف سے زیادہ سرے ہی سے قلمزن ہو جاتا۔ انگریزی گورنمنٹ اور اسکے رعیت پرور عمال نے اس قحط کے دوران میں بلاشبہ رعیت کی کمال مشفقانہ طریق سے دستگیری کی۔ مگر پھر بھی موجودہ و سابقہ ریونیو پالیسی کا فرق اسی سے معلوم ہو جائیگا۔ کہ سنہ ۱۹۰۰-۱۸۹۹ء کے مطالبہ تقریباً دو کروڑ ۲۲ لاکھ روپیہ میں سے صرف قریباً ۴۴ لاکھ ۸۰ ہزار روپیہ یعنے کل مطالبہ کا تخمیناً پانچواں حصہ ملتوی کیا گیا۔ سابق پالیسی و دستور کے مطابق مطالبہ کا $\frac{15}{28}$ حصہ قطعاً واگذار اور معاف ہو جاتا۔ اور موجودہ طریق کے رو سے ۱/۵ حصہ صرف ملتوی ہوتا ہے۔ یہ تفاوت بتا رہا ہے کہ سرکاری مطالبہ مالگذاری کی سنگینی اور اس کے وصولی کے قواعد کی صلابت۔ زمینداروں کو دن بدن زیادہ مفلس اور ساہوکاروں کا دست نگر بناتے جاتے ہیں۔ دیگر اسباب افلاس کی کسقدر مدد کر رہی ہے۔ یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ سوقت بحث زمین کی فایدہ بخشی کے متعلق ہے۔ معترض کہہ سکتا ہے کہ جب اس کے فائدہ کی شرح ۴ فیصدی سالانہ سے زیادہ نہیں اور اس سے

بدرجہا زیادہ مصئون ومحفوظ اور آرام دہ انوسٹمنٹ اور روپیہ لگانے کے مصرف موجود ہیں۔ تو پھر لوگ زمین پر روپیہ کیون لگاتے ہیں۔ اور اسکی قیمت دن بدن کیون بڑہتی چلی جارہی ہے۔ کوئی انسان ایسا بیوقوف نہیں ہو سکتا۔ جو سابق الذکر مصرفونکو چھوڑکر ایک قلیل المنفعت درد سر کو سہیڑنے پر رضامند ہوسکے۔ ہم ان اعتراضات کی معقولیت کو تسلیم کرکے جواب میں عرض کرتے ہیں کہ افسوس ہندوستانی ابہی عموماً ایسے ہی بیوقوف یا نادان ہیں۔ مگر اس غلطی میں مبتلا کرانے کا باعث فقط نادانی ہی نہیں۔ معذوری ومجبوری کو بھی اس میں بہت کچھ دخل ہے۔

ہندوستان قدیم الایام سے زراعتی ملک چلا آتا ہے۔ اور ہمیشہ سے اس کی آبادی کے بڑے حصہ کا پیشہ کشتکاری رہا ہے۔ انگریزی عہد میں خلاف توقع زرعی آبادی کی نسبت غیر زرعی آبادی سے اوٗر بھی بڑہگئی ہے۔ خلاف توقع اس لیئے کہ اس باامن اور شائیستہ ومہذب دور کے شروع ہو جانے پر اس امید کا پیدا ہو جانا بیوجہ نہ تھا۔ کہ صنعتٗ وحرفت کو فروغ ہوگا۔ پیداوار کے نئے نئے ذریعے پیدا ہو جائینگے۔ اور آبادی کا معقول حصہ زراعت سے ہٹکر ان کامون میں مشغول ہو جائیگا۔ لیکن جو کچھ ظہور میں آیا۔ وہ اس امید کے عین برعکس ہے۔ عہد مغلیہ کے باامن زمانہ میں آبادی کا جسقدر حصہ غیر زرعی مشاغل میں مصروف تھا۔ اب ایسے لوگون کی نسبت اس حصہ سے بہت ہی کم رہگئی ہے وجہ یہ کہ امن کے ساتھ آبادی اور مردم شماری تو بڑہتی گئی۔ لیکن یہی نہیں کہ نئی نئی صنعتیں ملک میں مروج نہ ہوئیں۔ بلکہ یہ کہ پرانی صنعتیں بھی کچھ ایسا فروغ نہ پکڑ سکیں۔ تعلیم اس قسم کی رائج کیگئی جس میں صنعت وحرفت کا ہی نام ونشان نہ تھا۔ بلکہ ایسے انداز کی تہی جو متعلمین میں دستی محنت ومشقت کیطرف سے نفرت پیدا کر دے یا ان کو اس کے قابل ہی نہ رہنے دے۔ اسطرح ملک کی آبادی کا تعلیم یافتہ حصہ کسی نئی صنعت کو رائج کرنے یا پرانی کو قایم رکہنے میں موٗید ہونے کی بجائے صرف ملازمت کرنے یا بیکار بیٹھے رہنے کے ہی قابل رہگیا۔ سابق صناع اور کاریگر ممالک غیر کی مشینون کے ذریعہ تیار شدہ اشیاء کا مقابلہ نہ کر سکے۔ اس مقابلہ نے لاکھون سے روزگار چھین لیا۔ اور ان کو بھی پیٹ پالنے کیلئے کاشتکاری اختیار کرنی پڑگئی۔ کچھ بالکل کاشتکاری پر آرہے اور کچھ نے کسیقدر پرانا کسب اگ بھی رکھا۔ اور کسیقدر زراعت کا سہارا پکڑ لیا۔ ملک کے بعض

حصون میں بلاشبہ اب کچھ نہ کچھ دخانی کارخانے قایم ہوگئے ہیں۔ لیکن ان کے کاریگرون کی
مجموعی میزان ان بافندون۔ سراجون۔ آہنگرون۔ نجارون اور دیگر پیشہ ورونکی تعداد کا
عشر عشیر بھی نہیں۔ جو مشینون کے مقابلہ سے عاجز آکر آبائی پیشہ سے بالکل یا ایک حد تک
دست بردار ہوگئے ہیں۔ زرعی آبادی میں کچھ تو اس نئی جماعت کی شمولیت سے اضافہ ہوا۔ دوسری
طرف امن کے زمانہ نے خود زراعت پیشہ آبادی کی مردم شماری اضعافاً مضاعفہ کردی۔ جن
سب کو اپنی روزی کے لئے زمین کا ہی آسرا ڈھونڈھنا پڑا۔ اور یہی عام رجوع اور آبادی کی
زیادتی زمین کی قدر بڑھجانے اور برابر بڑھتے جانے کا بڑا سبب ہے۔ نہ کہ اسکا بذاتہٖ فائدہ
بخش ہونا۔ عام دہقانی آبادی کے لئے اور کوئی روزگار نہیں۔ یا اور پیشون کے وہ قابل نہیں۔
زمین اگر ایسی ہی فائدہ کی چیز نہ ہوتی تو روزگار کی اور صورت ملنے پر زمیندار یا زراعت پیشہ
کبھی نئے پیشہ کی طرف توجہ نہ کرتے۔ لیکن دنیا دیکھ رہی ہے۔ کہ فوج اگر مرتب ہے تو زیادہ تر
دہقانی یعنے زراعت پیشہ لوگون سے۔ مشرقی افریقہ۔ ممباسہ۔ یوگنڈا۔ آسام کے باغات چار
جزائر غرب الہند اور مارشیس وغیرہ کے مزرعون اور ریلون پر قلیون کا کام دینے کیلئے ہزارون
اور لاکھون کی تعداد میں جارہے ہیں تو یہی دہقانی لوگ جن کا اصلی پیشہ زراعت ہے۔ بڑی
چھوٹی نہرون کی کھدائی پر جو لاکھون مزدور کام کررہے ہیں۔ ان میں بھی زیادہ تر یہی فاقہ مست
کاشتکار پائے جائینگے۔ لیکن آبادی اسقدر بڑھگئی ہے۔ کہ دو چار لاکھ کے اور کامون پر
چلے جانے سے کچھ فرق نہیں پڑسکتا۔ اِس کا علاج اسیطرح ہوسکتا ہے کہ صنعت و حرفت کا
پلڑا کم از کم زراعت کے برابر کردیا جائے۔ یہ کام گورنمنٹ اور متمولون کا تھا۔ اور دونوں
اس فرض کی ادائیگی سے قاصر رہے ہے۔ گورنمنٹ نے کتابی اور علمی تعلیم پر ہی سارا زور خرچ
کرتے رہنے سے صنعت کا رہا سہا شوق کم دیا۔ اور متمولون نے ایشیائیون کی عام بدقسمتی سے
متاثر ہوکر صنعت یا تجارت کیطرف توجہ کرنے کی بجائے زمینداری کو ہی روپیہ کا سب سے بڑا
مصرف سمجھ لیا ہے۔ حتیٰ کہ اکثر تجارت پیشہ بھی اس عام خبط سے محفوظ نہ رہے۔ ساہوکار۔ بنئے
بقال۔ ملازمت پیشہ۔ تاجر۔ زمیندار جبکو دیکھو بلاسوچے سمجھے زمین خریدنے کے شوق میں
مبتلا ہے۔ اِس لئے نہیں کہ زمین فائدہ بخش چیز ہے۔ سو میں پانچ بھی زمین خریدنے
سے پہلے تجارتی اصول کے مطابق نفع نقصان پر یا متوقعہ شرح منافع پر غور کرنے کی
تکلیف گوارا نہیں کرتے۔ ہر ایک جماعت کو تحریک کرنے والی دراصل کچھ اور چیز ہے۔ اور

سوائے ایک مشترک باعث کے ہر ایک فریق کیلئے جدا جدا موجبات ترغیب موجود ہیں۔

مشترک باعث ایشیاؤن اور خاصکر ہندوستانیونکی جبلّی پست ہمتی ہے۔ جنکی زمین کی زرخیزی انکی کئی مصیبتون اور معذوریونکی اصل وجہ ہے۔ اولاً اس نے انکو دوسرے پیشون سے ہٹاکر زراعت پر مائل کیا۔ دوم اس نے انکو حصول معاش کیلئے کہیں جانے کی احتیاج نہ رہنے دی۔ اسطرح رفتہ رفتہ محبت در و دیوار بڑی پختگی سے مستحکم ہوتی گئی۔ کنوئیں کے مینڈک کیطرح اپنے ہی گاؤن یا حلقہ کو کل دنیا سمجھنے لگ گئے۔ زمین جبند زجبند گل محمد۔ ان کا حصول ہوگیا۔ اِن میں سپرٹ یا انٹرپرائز نام کو نہ رہ گئے۔ نہ باہر نکلنے کی ضرورت پڑی۔ نہ ان میں حوصلہ و بیباکی۔ اور جہانگردی کا شوق پیدا ہوا۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ وہ شوق رفتہ رفتہ معدوم ہوگیا۔ کیونکہ آریا اور عرب اور مغل و پٹھان اگر ابتدا ہی سے ایسے ہوتے تو ہندوستان تک کبھی نہ پہونچتے۔ زمانہ عروج و امن کے تکلفات اور آسایش و آرام نے انکو اوراحدی بنادیا۔ اور خاندان مغلیہ کے انحطاط کے زمانہ کی بد امنی نے ان میں ایک اور نقص پیدا کردیا۔ وہ دولت اسی کو سمجھنے لگ گئے۔ جو اپنے قبضہ میں ہو۔ اور عام لوٹ مار نے انکو ایسی دولت رکھنے کا عادی بنادیا جو بآسانی اٹھائی جاسکے یا چھپائی جاسکے۔ اسطرح ان کو روپیہ اور دولت سے بتدریج ایک طرح کا عشق ہوگیا۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ انگریزی عملداری شروع ہوجانے پر جب ملک نے امن کی پھر صورت دیکھی تو اول اول ہندوستانی روپیہ پیسہ یا زیورات کو ہی دولت سمجھتے رہے۔ پھر ذرا زیادہ دلیری پیدا ہوئی تو مکان بنانے لگ گئے۔ کہ خیر دولت کی شکل بدلگئی سہی لیکن ہے تو اپنے ہی قبضہ میں اور اپنی آنکھون کے سامنے۔ تیسرا مرحلہ دلیری کی ترقی کا یہ آیا کہ مکانون سے تجاوز کرکے اپنے ہی ضلع یا علاقہ میں زمینیں لینی شروع کردیں۔ کیونکہ اس صورت میں بھی ان کو یہ اطمینان حاصل رہتا ہے۔ کہ انتظام وغیرہ ہماری نگرانی یا ہمارے ہاتھ میں ہوگا۔ پس یہ ذاتی تصرف اور اہتمام کا ضبط ہم لوگون کو ایسے کامون پر روپیہ لگانے کی اجازت نہیں دیتا۔ جن میں اورون پر اعتماد یا بھروسہ کرنا پڑتا ہو۔ یہ وجہ تو سب جماعتون میں یکسان موجود ہے۔ اس کے علاوہ ہر ایک گروہ چند خاص وجوہات بھی رکھتا ہے۔ ساہوکار دیکھتا ہے کہ زمیندار قلاش محض ہونے کے باوصف صرف ملکیت زمین کے بل پر فرعون بنا پھرتا ہے۔ کمیّون کی مجال نہیں۔ کہ اس کے حکم سے سرتابی کریں۔ اور تفتیش و تحقیقات مقدمہ میں بھی اکثر اسے شامل

کر لیا جاتا ہے۔ اس کے مقابل ساہوکار خواہ لاکھ روپیہ کی حیثیت رکھتا ہو۔ زمین نہ ہونے کی وجہ سے اس کا کوئی دباؤ نہیں مانتا۔ اور زمینداروں سے بگاڑ ہو جائے تو وہ اس کا اپنی زمینوں میں چلنا پھرنا تک روکنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ دوسری طرف وہ دیکھتا ہے کہ زمین کا مالک ہو جانے پر کاشتکاروں سے قرضہ اور سود بآسانی وصول ہو جایا کریگا ان وجوہات پر وہ ایسے دیہات میں جہاں اسکا لین دین ہو یا جہاں وہ خود رہتا ہو زمین حاصل کر لینا ضروری سمجھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ بذاتہ زمین فائدہ بخش نہیں لیکن ایک تو اُسے یہ تسلی ہوتی ہے کہ زر بدل کونسا یکمشت نقد ادا کیا ہے۔ سود در سود سے ایک کے دس دس بنائے ہوئے ہیں۔ دوسرے وہ جانتا ہے کہ ضمنی فوائد اس قلیل المنفعتی کی کافی تلافی کر دینگے۔

اس موقعہ پر ایک اور لطیف نکتہ کی طرف اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ زمین کی قدر اور قیمت بیشک بڑھ گئی ہے لیکن نہ اسقدر کہ اسکی حقیقی مالیت کی اوسط فی ایکڑ اسی روپیہ ہو۔ اکثر منتقل الیہم ساہوکار ملازمت پیشہ یا زمیندار ہوتے ہیں اول الذکر جو زر بدل دیتے ہیں۔ اس کا تین چوتھائی عموماً پرانا قرضہ ہوتا ہے۔ اور اس لئے انکو نام نہاد سنگین قیمت پر زمین کا خریدنا ناگوار نہیں ہوتا۔ باقی فریق حق شفع کی روک کیلئے بطور قاعدہ کلیہ اصل قیمت کو بڑھا کر لکھانے کے عادی ہو رہے ہیں۔

ملازمت پیشہ لوگوں کو کچھ عرصہ ہوا یہ خیال ہو گیا تھا۔ کہ صاحب زمین ہونے سے وہ اپنی اولاد کے لئے سرکاری ملازمت و سرپرستی کے متعلق چند حقوق حاصل کر سکتے ہیں۔ گورنمنٹ کو زمینداروں کی خاص خاطر منظور ہے۔ اور یہی خاطر ہماری اولاد کی ہوگی ادہر جائیز اور ناجائیز کمائی کو ٹھکانے لگانے کیلئے بھی کسی مصرف کی ضرورت تھی۔ گذارہ تو تنخواہ وغیرہ سے بخوبی چل سکتا تھا۔ ضرورت تو مالگذار سرکار بنکر عزت کے بڑھانے کی تھی اس خیال خام اور مشترک وجہ نے ملازمت پیشہ لوگوں کو زمین کا دلدادہ بنا دیا۔ اور اسطرح وہ اپنی اولاد کے حق میں کانٹے بو گئے۔ اور بو رہے ہیں جنکو جلد زمینداری کی اصل قدر و منزلت معلوم ہو جاتی ہے۔

باقی رہے زمیندار ان کو فرزند یا بیوی سے اسقدر رغبت نہیں جسقدر کہ زمین سے۔ جو صدیوں سے انکی دھرتی ماتا چلی آتی ہے۔ پس جب کسی کے پاس کچھ روپیہ جمع ہو جاتا ہے

اسکی بھی خواہش رہتی ہے کہ اپنے رقبہ کو بڑھائے بعض کو تقسیم در تقسیم کے اثر سے محفوظ رہنے کی تمنا۔ اور بعض کو یہی موروثی عشق خریداری پر مجبور کرتا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اگر کسی غیر نے زمین لے لی۔ تو خدا جانے وہ کیا کیا فتنے برپا کرے۔ یہ سب باتیں ملکر زمیندار کو مجبور کرتی ہیں۔ کہ خواہ اس کے پاس روپیہ نہ ہو وہ قرض دام لیکر اور حق شفع کر کے بھی حتی الوسع اپنے ہمسایہ کی زمین کو جانے نہ دے۔ وہ دیکھتا ہے کہ زمین سے دو روپیہ ایکڑ بھی لگان نہیں ملتا۔ اور منافع کی اوسط ایک روپیہ سینکڑا سالانہ بھی نہیں پھیلتی۔ لیکن ان موجبات سے مجبور ہو کر دو روپیہ سینکڑا ماہوار سود پر اپنی موجودہ زمین کو کفالت میں دیکر روپیہ قرض لیتا ہے۔ اور زمین کو خرید لیتا ہے۔

قصہ مختصر۔ زمین کی فائدہ بخشی نہیں۔ بلکہ ہم لوگوں کی جہالت۔ پست ہمتی۔ خام خیالی۔ بعض ذاتی و شخصی اغراض اور چند مجبوریاں ہم کو زمین کی خریداری کے لئے ایسا بیتاب بنائے ہوئے ہیں۔ بنگال کی حالت منتقل الیہم کے بڑے حصہ کی قومیت دیسی ریاستوں کے دستور اور فوجی ضرورت کے متعلق فاضل مضمون نگار کے دیگر بیانات پر ذیل میں بحث کی جاتی ہے:۔

وطن نے اپنے فاضل ہمعصر کی اس دلیل کے جواب میں کہ زمین کی فائدہ بخشی انتقالات کی کثرت کا باعث ہے لکھا تھا کہ اس کے مطابق بنگال میں جہاں استمراری بندوبست کی وجہ سے زمین مسلم طور پر دیگر علاقوں کی اراضیات کی نسبت مالکوں کے حق میں زیادہ فائدہ بخش ہے۔ انتقالات نسبتاً زیادہ ہونے چاہئیں۔ اور اسی بناء پر نہری زمینیں دوسری قسم کی زمینوں سے زیادہ منتقل ہوں۔ مگر صورت حال اسکے برعکس پائی جاتی ہے۔ فاضل مضمون نگار وطن کے ان دونوں بیانات کی صداقت کا قائل نہیں لیکن وہ اسکی تردید کے لئے کوئی شہادت پیش نہیں کر سکا۔ بنگال کے متعلق اسے ماننا پڑا ہے کہ دوامی بندوبست کی وجہ سے وہاں رجسٹر انتقالات نہیں رکھے جاتے۔ اور بدیں وجہ وہ وطن کے بیان کی تردید کے لئے کوئی اعداد و شمار پیش نہیں کر سکتا۔ البتہ اسکا خیال ہے کہ بڑی بڑی زمینداریوں کے انتقالات کی کثرت کو ثابت کرنے کے لئے جوڈیشل دفاتر اور محکمہ رجسٹری سے کافی مصالح مل سکیگا۔ مگر جب تک وہ اس مصالح کو جمع کر کے پیش نہ کرے۔ بڑی زمینداریوں کے متعلق بھی اسکی رائے قابل تسلیم نہیں ہو سکتی۔ اندریں

حالات ہر منصف مزاج یہی فیصلہ کریگا کہ صاحب موصوف وطن کی اس دلیل کا کوئی جواب نہیں لا سکے۔ اور اس معذوری نے انکی مجبوری کو باطل ثابت کرکے وطن کی اس رائے کی معقولیت کو صاف طور پر ظاہر کر دیا ہے۔ کہ زمین کی فایدہ بخشی نہیں۔ بلکہ اس کی بیسودی بالعموم انتقالات کا باعث ہوتی ہے۔

خاص پنجاب کی نسبت وطن کا بیان تھا کہ نہری زمینیں جو یقیناً زیادہ فایدہ بخش ہیں۔ کمتر منتقل ہوتی ہیں۔ اور زیادہ تر ناکارہ زمینیں ہی ساہوکاروں کے حق میں منتقل ہوتی ہیں۔ صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ گورنمنٹ بلا تامل بروئے اعداد اس خیال کی تردید کر سکتی ہے۔ مگر تعجب ہے کہ ایسی آسان تردید کو پیش کرنے کا کام صاحب ممدوح نے گورنمنٹ کے ذمہ کیوں ڈالدیا۔ اور اپنا پہلو اس سے بچا گئے۔ ان کے اس اغماض سے اگرچہ اس بحث میں بھی ہر سلیم الطبع وطن کے حق میں ہی فیصلہ کریگا۔ لیکن ہم صاحب ممدوح کے مزید اطمینان کے لیئے یہ کہدینا مناسب سمجھتے ہیں کہ ان کو اپنے جواب میں نہری۔ اور نہری ہونے والی زمین میں مغالطہ ہوگیا ہے۔ حالانکہ ان دونوں اقسام میں بلحاظ فائدہ بخشی زمین آسمان کا فرق ہے۔ ایک حال میں فائدہ دے رہی ہے۔ اور دوسری سے زمانہ آیندہ میں فایدہ ہونے کی صرف امید ہوتی ہے۔ اور عموماً دوسری قسم ہی کی زمینوں کا کچھ حصہ زمینداروں کے قبضہ سے نکلتا ہے۔ فاضل مضمون نگار اس مضمون کے کوئی اعداد و شمار پیش نہیں کر سکیں گے۔ کہ پنجاب میں خالص نہری زمین غیر آبپاش اراضی سے کسی سال کبھی زیادہ منتقل ہوئی ہے۔ اور وطن کے جس بیان کی تردید کو وہ نہایت سہل سمجھتے ہیں۔ اعداد و شمار کو تلاش و جمع کرتے وقت انہیں معلوم ہو جائیگا۔ کہ وہ درحقیقت نہایت مشکل بلکہ ناممکن کام ہے۔ صاحب موصوف نے ضلع فیروزپور کے ایک علاقہ کی گذشتہ جو حالت بیان کی ہے۔ ہم اسے بلا حجت درست تسلیم کرتے ہیں۔ بلکہ یہاں تک ماننے کو تیار ہیں کہ بعینہٖ یہی حالت پنجاب کے اور بھی کئی علاقوں میں پائی جائیگی۔ ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ایک سابق فنانشل کمشنر کی رائے بالکل درست ہے۔ اور وادی ستلج کے مسلمان باشندوں کی بربادی کا باعث آبپاشی ہوئی۔ مگر آبپاشی کے اس اثر کی نسبت صاحب موصوف کو ایک عجیب مغالطہ ہوا ہے۔ آبپاشی شروع ہو جانے سے اس بربادی کا باعث نہیں ہوئی۔ کیونکہ اسوقت زمین اسقدر فائدہ بخش

ہو جاتی ہے۔ کہ زمیندار کو بیچنے کی احتیاج نہیں رہجاتی۔ بلکہ آبپاشی کی امید جس سے زمین کی گو مالیت کسیقدر بڑھجاتی ہے۔ مگر ابھی اسکی پیداوار اور فائیدہ میں بہ نسبت سابق کوئی فرق نہیں پڑا ہوتا۔ اس لطیف مگر نہایت اہم فرق کو صاحب ممدوح مدنظر نہیں رکھ سکے۔

عام مشاہدہ بتا رہا ہے۔ کہ جب کسی نئے علاقہ کی آبپاشی کی امید ہوتی ہے تو ساہوکار اور ملازمت پیشہ اس نواح میں زمین حاصل کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں۔ غیر آبپاشی علاقوں کے زمینداروں کی مفلوک الحالی کسی سے مخفی نہیں۔ وہ بھی یہ جانتے ہیں کہ نہر آجانے سے انکی زمین کا منافع بہت بڑھجائیگا۔ مگر اس متوقعہ فائدہ سے کلیتہً خود فائیدہ اٹھانے کی ان کو ان کے حالات اجازت نہیں دیتے۔ زمین کی قلت پیداوار اور متعدد دیگر اسباب نے ان کو ساہوکار کا غلام بنا رکھا ہوتا ہے۔ اس پابندی پر ہر روز کی نئی ضروریات ان کے لئے علیحدہ وبال جان ہو رہی ہوتی ہیں۔ کہیں سرکاری معاملہ کا مطالبہ ہے۔ کہیں قلبہ ران مویشی کے خریدنے کی ضرورت ہے۔ کہیں ساہوکار پچھلے قرضہ کے سود اور اصل کا تقاضا کر رہا ہے۔ ایک دو لڑکے بھی جوان ہو گئے ہیں۔ اور ان کی شادی کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ شیر دار مویشی کوئی نہیں رہا۔ ایک آدھ گائے بھینس رکھنے کے لئے بھی دل للچا رہا ہے۔ ایک طرف یہ سب ضرورتیں مزید روپیہ کی متقاضی ہوتی ہیں۔ دوسری طرف ساہوکاروں اور متمولوں نے اسے روپیہ کے ڈھیر دکھانے شروع کر دیئے ہوتے ہیں۔ پہلے زمین کی کم قیمتی اسے اس کے فروخت کا کبھی خیال تک نہ کرنے دیتی تھی۔ اگر وہ ایک سو ایکڑ مزروعہ و بنجر کا مالک ہے۔ تو ضرور ہزار دو ہزار روپیہ کا مقروض بھی ہو گا۔ وہ سوچتا ہے کہ ساری زمین بیچدینے سے بھی صرف قرض ہی بیباق نہیں ہو سکتا۔ اب زمین کی قیمت آبپاشی کی توقع سے ڈیوڑھی دگنی ہو گئی ہے۔ اسے خود خیال آتا ہے۔ یا یہ خیال اسکے دل میں پیدا کیا جاتا ہے اپنی بنجر زمین سے اسے کیا حاصل ہو رہا ہے۔ کچھ بھی نہیں۔ اگر وہ اسے بیچ ڈالے تو پچھلا قرض بھی اتر جاتا ہے۔ اور بیش نظر ضرورتوں کیلئے روپیہ بہم پہنچ جاتا ہے۔ وہ اس فریب میں آجاتا ہے۔ اور بنجر زمین کو ساہوکار یا کسی متمول ملازمت پیشہ یا زمیندار بھائی کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے اسطرح بسم اللہ شروع ہو جانے پر پیشتر اس کے کہ نہر آئے اسکی تمام ملکیت کی صفائی ہو جاتی

پہلی فروخت کی رقم سے کچھ روپیہ عموماً بچ رہتا ہے۔ جس سے بیوی بہو کیلئے زیور بنوائے جاتے ہیں۔ اس سے مستورات کے شوق زیورات کو تحریک ملگئی ہوتی ہے۔ ادھر بیوی متقاضی ہوتی ہے۔ ادھر عیار متمول اور ساہوکار۔ بیوقوف زمیندار کو الو بنانا شروع کر دیتے ہیں۔ کہ چوہدری صاحب آپ کی بیوی اور اس کے پاس صرف چاندی کے زیورات ہوں۔ اتنا کنبہ اور صرف ایک بھینس رکھی ہے۔ بیل سو سو روپیہ کی جوڑی سے کم رکھنا تمہاری کسر شان ہے۔ پچاس گھماؤں زمین کو کیا کروگے۔ دس بیس کو جو فالتو ہیں بیچکر زندگی کا کچھ سکھ اٹھاؤ۔ دس بیس اسطرح گئے۔ اتنے میں پھر قحط سالی شروع ہو گئی۔ باقی زمین اسکی بھینٹ چڑھ گئی متمول آبپاشی کے شروع ہونے تک چار پانچ برس کیلئے خرید کردہ زمین سے کسی فائیدہ کے نہ ملنے کی برداشت بآسانی کرسکتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ زمین نہری ہونے پر اسکی بخوبی تلافی کر دیگی۔ اسطرح ابھی آبپاشی میں سال ڈیڑھ سال کا وقفہ ہوتا ہے۔ کہ زمیندار اپنی زمین سے بالکل یا تقریباً محروم ہو جاتا ہے۔ الغرض آبپاشی اگر زمیندار کی بربادی کا باعث ہوتی ہے۔ تو فقط اسطرح۔ اس کے شروع ہو جانے پر نہری زمین زمیندار کی طرف سے شاذونادر منتقل ہوتی ہے۔ نہر چناب اور نہر جہلم جن علاقوں میں سے گذری ہیں۔ وہاں بھی لاکھوں ایکڑ زمین زمینداروں سے منتقل ہوگئی ہے۔ مگر کب؟ آبپاشی شروع ہونے سے سالہا سال پہلے نہر جہلم کے مکمل طور پر جاری ہونے میں ابھی کئی مہینوں کا وقفہ ہے۔ مگر جس دن مونگ رسول میں کھدائی شروع ہوئی۔ اسی دن ہزاروں ایکڑ مفلوک الحال زمینداروں کے ہاتھ سے نکل گئی جسکی بڑی وجہ یہی تھی کہ زمین سے کوئی آمدنی نہ ہونے کی وجہ سے انکی حالت سخت ردی ہو رہی تھی۔ یہی کیفیت شروع میں نہر چناب کے علاقہ میں ہوئی۔ مگر جس دن سے زمینداری علاقے آبپاش ہوگئے ہیں۔ شاید ہی کوئی آبپاش محال کسی زمیندار کی طرف سے منتقل ہوا ہو۔ اور اس سے کافی طور پر ثابت ہو رہا ہے۔ کہ زمین فائیدہ بخشی کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ بے سودی کیوجہ سے زمینداروں کے ہاتھ سے نکلتی ہے۔ جونہی آبپاشی سے وہ فائیدہ بخش ہوگئی۔ اور زمیندار کی پیداوار بڑھ گئی۔ وہ اس کے انتقال کا نام نہیں لیتا۔ نہ اسے ایسا کرنے کی احتیاج رہجاتی ہے۔ یہ اسی قلت آمد کا نتیجہ ہے کہ زمیندار اپنی زمین کے متوقعہ فائدہ عظیم سے متمتع ہونے کیلئے تین یا چار برس تک کا بھی انتظار نہیں کرسکتا جیسے متمول لوگ بآسانی برداشت کر لیتے ہیں

وطن نے لکھا تھا کہ دیہات میں زرعی اراضیات کا انتقال عموماً زمینداروں کے ہی حق میں ہوتا ہے۔ البتہ شہروں اور قصبات کے قرب وجوار میں ساہوکار ایسی زمینوں کو منھ مانگی قیمت دیکر بھی خرید لیتے ہیں۔ ہمعصر سول اس بیان کے پہلے حصہ کو بالکل غلط بتاتا ہے اور لکھتا ہے کہ "مقام شکر ہے کہ ایسی بے خبری عام نہیں"۔ مگر آگے چلکر اُسے خود ہی کم از کم پنجاب کے ایک ضلع فیروزپور کی زرعی آبادی کے ایک حصہ سکھ جاٹوں کے متعلق اس بیان کو بالکل درست تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ لیکن یہ کارروائی صرف اس ضلع تک ہی محدود نہیں۔ ہندو جاٹ تقریباً صوبہ کے ہر ضلع میں مسلمان جاٹوں کی نسبت زیادہ سمجھدار دوراندیش اور عموماً کسیقدر خوشحال بھی ہیں۔ بلکہ ہندو اور سکھ جاٹوں کا کوئی موضع ایسا نہیں جس میں ایک آدھ ہندو یا سکھ جاٹ ایسا متمول نہ ہو کہ وہ ساہوکارہ کا لین دین نہ کرتا ہو۔ اور یہ لوگ عموماً اپنے موضع میں کسی غیر یا ساہوکار کو ہرگز دخیل نہیں ہونے دیتے۔ یہاں یہ ضمناً بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کا تمول زمین کی فایدہ بخشی کا اسقدر نتیجہ نہیں ہوتا جسقدر کہ ان کی جزرسی۔ کفایت شعاری اور خاصکر ہیں امداد کا۔ جو خاندان کے بعض افراد کے فوج وغیرہ مختلف سرکاری صیغوں میں ملازم ہونے کا ہوتا ہے۔ مسلمان زمینداروں کی بالعموم یہ حالت نہیں۔ لیکن جیسا کہ اس سلسلہ کے گذشتہ مضمون میں لکھا گیا تھا۔ انکی بھی یہی کوشش ہوتی ہے کہ حتی الوسع زمین غیر کے ہاتھ میں نہ جانے پائے۔ اگر کسیطرح ان کو روپیہ دستیاب نہ ہو تو مجبوری ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ وطن کا یہ بیان کہ دیہات میں زرعی اراضیات کے انتقال ۹۹ فیصدی خود زمینداروں کے ہی حق میں ہوتے ہیں۔ بجز نہا درست نہیں ہوسکتا۔ اس کا مطلب صرف یہ تھا۔ اور ہے۔ کہ ایسے انتقالات کا اکثر حصہ زمینداروں کے حق میں ہوتا ہے۔ البتہ مرتہن ساہوکار لوگ بھی اکثر پائے جائینگے کیونکہ ایک تو یہ امر دوسرے زمینداروں کو بھی ناگوار نہیں ہوتا۔ اور دوسرے خود ساہوکار کو رہن میں بیع کی نسبت بدرجہا زیادہ فایدہ ہوتا ہے۔ وہ اگر زمین کو خریدتا ہے تو اس لئے نہیں کہ وہ اُسے مالی وتجارتی لحاظ سے کوئی بڑی فایدہ بخش چیز سمجھتا ہے۔ بلکہ محض زیادہ تر محض ان وجوہات وترغیبات کے باعث جن کی تشریح ہوچکی ہے۔ نہر چناب کی نو آبادی کی اراضیات کی فایدہ بخشی نے بیشک

آجکل اکثر متمولون کو محض فایدہ کی توقع سے بھی خرید اراضی کا مشتاق بنا دیا ہے۔ مگر یہ شوق صرف نہری یا نہری ہونے والی اور خاصکر سرکاری اراضیات تک محدود ہے جنکے بہ نسبت دیگر اراضیات فائدہ بخش ہونے کے ہم شروع سے قایل ہیں۔ عام زمینداری املاک کی خریداری میں اس توقع کا نمبر چوتھے یا پانچویں درجہ پر ہے۔ نہری اراضیات بھی فقط نسبتاً فائدہ بخش ہیں۔ اور اس نسبتی فایدہ بخشی کا باعث بھی چند غیر معمولی اسباب ہیں اگر ملک میں گذشتہ عشرہ میں متواتر قحط سالیان نہ ہوتیں اور غلہ اور بھوسہ کا نرخ معمول سے بہت ہی نہ بڑھ گیا ہوتا۔ نہر چناب کی نوآبادی کی زمین صدیون سے چراگاہ کا کام دیتے چلے آنے سے نہایت زرخیز اور طاقتور نہ ہوگئی ہوتی۔ تو وہان کے سرکاری مطالبات کی موجودہ شرح نے فایدہ کی شرح کو بہت ہی تخفیف کر دیا ہوتا۔ اسیطرح اگر متمولان ملک میں تجارت و ترقی صنعت و حرفت کی قابلیت ہوتی تو سرکاری زمین خریدنے پر آمادہ ہو جانے اسطرح لاکھون روپیہ خرچ نہ کیا جاتا۔

اس خریداری اراضی سرکاری کے معاملہ سے بھی ہمارے بیان کی زبردست تائید ہو رہی ہے۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ نہر کی اور خاصکر نہر چناب کی زمین دیگر علاقون کی آبپاشی یا غیر آبپاش زمین سے تاحال بہت فائدہ بخش ثابت ہو رہی ہے۔ اس خوبی کے ماسوا چند فصلون کے لئے معاملہ و آبیانہ بھی معاف تھا۔ ایسی صورت میں لازم تھا کہ ساہوکار جنکی نسبت بیان کیا جاتا ہے۔ کہ وہ صرف زمین کی فائدہ بخشی کے باعث اُسے زمیندارون سے حاصل کرتے رہے ہیں۔ سب سے پہلے سرکاری زمین کی خریداری کو دوڑتے لیکن ایسا ظہور میں نہ آیا۔ سرکاری نیلام میں بولی دینے والے سرکاری ملازم۔ کمسریٹ ایجنٹ۔ اور ٹھیکیدار۔ جاگیردار۔ اور بڑے بڑے زمیندار یا پنشنری زیادہ تر پائے گئے۔ اور انہی لوگون نے اراضیات کو خرید کیا۔ کسی دیہاتی بلکہ شہری ساہوکار نے بھی اس زمین کو نہ خریدا۔ جو معدودے چند نیلام کے موقعون پر موجود ہوتے۔ وہ فوراً اوسط قیمت اور اوسط سالانہ منافع فی ایکڑ کا حساب پھیلانا شروع کر دیتے۔ اور جب اُسے پانچ چھ آنہ سینکڑہ سے متجاوز نہ پاتے تو بولی دینے والون کے حلقہ سے کنی کترا کر پرے جا کھڑے ہوتے۔ پس جب مسلم طور پر زیادہ نفع دینے والی زمینون کی نسبت ساہوکارون کی یہ رائے قرار پائی تو فاضل مضمون نگار خود

ہی سوچ سکتے ہیں۔ کہ زمینداری محالوں میں زمینیں حاصل کرنے کی ترغیب ان کو ان اراضیات کی فائدہ بخشی سے نہیں ملا کرتی۔ بلکہ اس کے اسباب و بواعث کچھ اَور ہی ہیں۔

ہمعصر مذکور وطن کے اس بیان پر کہ ساہوکار عموماً چھوٹے چھوٹے محالوں کو نہیں خریدا کرتے یہ بے معنی اعتراض کرتا ہے"۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اگر وہ قطعات اپنے موروثی مالکوں کا پیٹ نہیں پال سکتے تو منتقل الیہم کیلئے بھی بدیں وجہ مفید نہیں ہونگے اگر منتقل الیہ جاٹ ہے تو وہ اُسے اپنے رقبہ میں ملا لیگا۔ اور اگر ساہوکار ہے تو اسے اپنے مزارعہ کے زیر کاشت رقبہ میں ازدیاد کرکے بٹائی کریگا"۔ وطن نے ان چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے اور محالوں میں ملا لینے کی صورت میں فائدہ ہونے سے کبھی انکار نہیں کیا۔ اسکا مدعا صرف یہ تھا کہ ساہوکار ایسے چھوٹے چھوٹے متفرق ٹکڑوں کو لیکر دردسر نہیں سہیڑنا چاہتے۔ وہ عموماً ہمسایہ زمینداروں کے ہی حق میں منتقل ہوتے ہیں۔ جو ان کو اپنے مزارعہ میں ملا لینے سے اُن سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ تقسیم در تقسیم کے اثر کی خود بخود تلافی ہوتی رہتی ہے۔ کیونکہ محال والے اپنی زمین یا اپنے بھائیوں کے ہاتھ بیچ ڈالتے ہیں۔ یا انہیں کاشت کرلئے دیدیتے ہیں۔ اور خود کسی اَور کے مزارعہ ہو جاتے ہیں۔ یا محنت مشقت شروع کردیتے ہیں۔ اور اسطرح ہر مالک کے زیر کاشت رقبہ میں کوئی بڑا فرق نہیں پڑتا۔ بنابریں صاحب ممدوح کا یہ بیان کہ خواہ سرکاری معاملہ کم ہو یا زیادہ جب تقسیم در تقسیم کے اثر سے زمین کا چھوٹے چھوٹے مالکوں سے منتقل ہو جانا ناگزیر ہے۔ تو سرکار اپنے مطالبہ کو کیوں کم کرتی ہے۔ بالکل غلط فہمی پر مبنی ہے۔ معاملہ کی موجودہ سنگینی تقسیم در تقسیم کے اثر کو اَور زیادہ مؤثر بنا رہی ہے۔ اور اگر اس سنگینی میں مزید اضافہ کیا جائے تو اس کا لازمی طور پر یہ نتیجہ ہوگا۔ کہ کوئی زمیندار اپنے شریک مالکوں کی زمین خریدنے کے قابل یا اسکا خواہاں نہیں رہجائیگا۔ اور اسطرح تقسیم در تقسیم کے اثر کا جبر محال ہو جائیگا۔ جو صورت ملک کی اقتصادی بہتری و فلاح کے لئے یقیناً سخت خوفناک ہوگی۔ صاحب ممدوح کو اندیشہ ہے کہ "تقسیم در تقسیم سے محال اسقدر چھوٹے ہوتے چلے جائینگے۔ کہ ایک دن تقریباً کل مالکان اراضی کو اپنی اراضیات سے صرف اسقدر پیداوار ہوا کریگی۔ جو ان کے گذارہ اور مصارف زراعت کو بھی مکتفی نہ ہوگی اِدھر گورنمنٹ نے سابق دستور کے برعکس جبکے رو سے سرکار پانچواں حصہ لیا کرتی تھی۔ یہہ

اصول قرار دیکر کہ سرکار کا حق مصارف زراعت اور کنبہ کے گذارہ کیلئے پیداوار چھوڑنے کے بعد جو باقی بچے اسپر واجب ہوتا ہے۔ اپنے مطالبہ کو رفتہ رفتہ گھٹاتے رہکر ہلکا کر دیا ہے اسطرح ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ وہ کاشتکار سے کچھ بھی نہ لے"۔ یہ صورت جیسا کہ ہم بارہا ثابت کر چکے ہیں۔ اور ہندوستان کی تاریخ اسکی شہادت دے رہی ہے محض تقسیم در تقسیم کے اثر سے کبھی ظہور پذیر نہ ہوگی۔ البتہ معاملہ کو اگر اب کچھ اور سنگین کیا گیا تو اسکے ظہور پذیر ہونے کے لیئے زیادہ عرصہ انتظار نہیں کرنا پڑیگا بہت کم قدیم مالکان اراضی مالک کی حیثیت میں زمین پر قابض رہ سکیں گے۔ اور متمولوں میں سے بھی شاذ ہی کسی کو زمین خریدنے کی جرأت رہجائیگی۔ مگر چونکہ شکم پری کیلئے کسی روزگار کو اختیار کرنا لابدی ہے۔ اور ملک میں زراعت کے سوا اور کوئی ایسا پیشہ نہیں جسمیں کروڑوں کی کھپت ہو سکے۔ زمیندارون کی جنکی بہتری و خوشحالی کا گورنمنٹ کو ہر وقت دلی خیال رہتا ہے بعینہ وہی حالت ہوجائیگی جو زار اسکندر ثانی سے پہلے روس کے سرفون (غلام کاشتکارون) کی تھی۔

ہمارا معزز ہمعصر اپنی جوابی تحریر کے آخری پیرگراف میں اس بیان کا پھر اعادہ کرنے کے بعد کہ معاملہ سرکاری کا ہلکا ہوتا ہی متمولوں کو زمین کے حصول کی ترغیب اور شوق دلاتا رہتا ہے۔ خاتمہ کلام کے قریب اپنا اصل عندیہ ان الفاظ میں ظاہر کرتا ہے:۔

"مگر صرف یہی مدعا (یعنے زمیندار کی بہتری کیلئے انتقال زمین کی کثرت کو روکنا یا کم کرنا۔ وطن) اسوقت ہمارے مدنظر نہیں تشخیص کے اصول کی عام نظر ثانی اور بتدریج اسی قدر حصہ پیداوار سرکاری معاملہ میں حاصل کرنے کی کوشش کرنے کیلئے جو برو ئے رواج قدیم سرکار کو واجب ہے ایک اور وجہ بھی جو ساتھ ہی نہایت زبردست اور اہم ہے موجود ہے۔ وجہ مذکور سلطنت ہندوستان کی خطرناک فوجی کمزوری اور اسکی حفاظت کے قابل فوج کے قیام کیلئے موجودہ آمدنی کا غیر مکتفی ہونا ہے"۔ اسی پیرگراف میں فاضل مضمون نگار اپنے دعوٰی کی تائید میں لکھتا ہے کہ "دیسی ریاستوں میں معاملہ کا پرتہ سرکاری علاقہ کے پرتہ سے دگنا ہے۔ اور اس کا یہ اثر ہو رہا ہے کہ ان میں اراضی کا انتقال بہت کم ہوتا ہے۔ یہی اثر زیادتی معاملہ کا انگریزی علاقہ میں ہوگا"۔

اول الذکر وجہ کے متعلق کچھ تحریر کرنے سے پیشتر اس دلیل پر چند سطریں لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اکثر دیسی ریاستون میں بیشک معاملہ کا پر نہ زیادہ ہے اور ان مین زمین کا انتقال بھی بہت ہی کم ہوتا ہے۔ مگر ہمیں تعجب ہے کہ فاضل نویسندہ نے انہی دونوں باتون کو معلوم کر لینے پر کفایت کر کے وہان کے زمینداروں کے دیگر حالات کو معلوم کرنے کی کیون تکلیف نہ اٹھائی۔ اور سب سے زیادہ حیرانی اس امر پر ہو رہی ہے کہ ایک مہذب وانگریزی اخبار اپنی شائستہ و روشن خیال اور رعیت پرور گورنمنٹ کو ایسی حکومتون کی تقلید کا مشورہ دینا کسطرح گوارا کرتا ہے۔ جن کی بدنستقی بیجا سختگیری۔ اور بیقانونی صدیون سے ضرب المثل چلی آتی ہے اور انکی بے اعتدالیون کی اصلاح کا گورنمنٹ عرصہ دراز سے بتدریج اہتمام کر رہی ہے کیا گورنمنٹ کو انہی سختگیریون اور جور وتظلم کے انسداد کیلئے کئی ریاستون اور امارتون کو مجبوراً معدوم کر کے وہان کی رعایا کی بہتری کیلئے انہیں اپنی ظل عاطفت میں نہیں لینا پڑا۔ اور کیا محض اسی غرض کیلئے اسے بارہا اکثر ریاستون کے انتظام میں مداخلت نہیں کرنی پڑی۔ اور کیا وہ اس سے انکار کر سکتا ہے کہ ملحق شدہ ریاستون میں سے اکثر کے الحاق کا بڑا باعث یہی غاصبانہ طریق عمل تھا جس سے انکی رعایا شب و روز مشغول آہ وبکا رہتی تھی۔ انگریزی حکومت کا سب سے بڑا فخر یہ ہے کہ اس کے طفیل باشندگان ہندوستان کو طوائف الملوک کے جبر وستم سے نجات ملی۔ اور امن و امان۔ قاعدہ وضابطہ اور تہذیب وشائستگی کا دور اس سرزمین میں از سر نو قایم ہوا۔ مگر ابنائے ملک کی شومئ قسمت کہ اب اسی ممتاز قوم کا ایک سر برآوردہ اخبار گورنمنٹ کو ان ریاستون کی تقلید کا مشورہ دینا روا رکھتا ہے جنکی اصلاح و درستی کو وہ اپنا ایک اہم فرض سمجھے ہوئے ہے اگر ہمارے ہمعصر کو دیسی ریاستون کا طریق عمل ایسا ہی پسند آیا ہے تو وہ کیون گورنمنٹ کو ہر معاملہ مین انکی تقلید کا مشورہ نہیں دیتا۔ یا کم از کم یہی کیون نہیں کہتا کہ گورنمنٹ کو ان ریاستون میں بتدریج انگریزی طریق انتظام رائج کرنے جانے کی کوشش سے رک جانے کی صلاح دے کیونکہ جب ملکی انتظام کے اہم ترین حصہ صیغہ مالگذاری کے متعلق انکی پالیسی انگریزی پالیسی پر فضیلت رکھتی اور اس بارہ میں انگریزی گورنمنٹ ان سے سبق حاصل

کرنے کی محتاج ہے۔ تو ظاہر ہے کہ باقی امور میں بھی انکو انگریزی گورنمنٹ سے کچھ سیکھنے کی چنداں احتیاج نہیں ہو سکتی۔ اللہ اکبر۔ ایک ممتاز انگریزی نویسندہ اور انگریزی گورنمنٹ کو ہندوستان کی دیسی ریاستوں کو اپنا نمونہ بنانے کی صلاح دے!! اس سے بڑھکر رائے کا تنزل کیا ہو سکتا ہے۔

صاحب ممدوح کا یہ مشورہ اسی لحاظ سے تعجب افزا نہیں۔ انہوں نے یہ معلوم کرنے کی تکلیف نہیں اُٹھائی یا اپنے علم کو ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ کہ اس سنگینی کا دیسی ریاستوں کے زمینداروں کی حالت پر کیا اثر پڑ رہا ہے۔ صاحب ممدوح نے اس تمام بحث کو چھیڑنے کی اصل غرض اگرچہ صاف لفظوں میں ظاہر کر دی ہے مگر اس سے وہ انکار نہیں کر سکتے کہ کچھ تحریک زمینداروں کی ہمدردی کے خیال نے بھی کی تھی۔ اور کہ وہ انتقال اراضی کا انسداد زمینداروں کی ہی بہتری کیلئے چاہتے ہیں۔ اب وہ دیکھیں کہ جس تدبیر سے وہ انتقال اراضی کا انسداد چاہتے ہیں۔ جن علاقوں میں اس پر عملدرآمد ہو رہا ہے وہاں زمینداروں کی حالت کیسی ہے؟ اسکا ہر واقفکار یہی جواب دیگا کہ سخت ابتر۔ یہی حالت اس تدبیر پر عمل کرنے سے یہاں کے زمینداروں کی ہو جائیگی۔ اور اسطرح صاحب ممدوح کی یہ غرض کہ زمینداروں کی بہتری ہو۔ بالکل مفقود ہو جائیگی۔ اور اس کے عین الٹ نتیجہ برآمد ہوگا۔ متذکرہ بالا جواب کی تصدیق ہمعصر موصوف کے مضمون نگار کو سرکاری پرتہ سے دُگنا پرتہ لینے والی کسی ریاست میں جانکلنے سے بآسانی ملسکتی ہے۔ انگریزی علاقہ کے زمیندار اور کاشتکار اگر قلاشی اور افلاس کے درمیانی درجہ پر ہیں تو ریاستی زمیندار انتہائی درجہ پر دیکھے جائینگے۔ اول الذکر کے ہر ضلع میں تو پھر بھی پانچ دس مرفہ الحال زمیندار دکھائی دیجائینگے۔ لیکن ساری ریاست کو چھان مارو شاید کوئی آسودہ حال زمیندار نظر آئیگا۔ ہندوستان کی رعایا بڑی امن پسند ہے۔ مگر انگریزی حکومت سے پہلے کی طوایف الملوکی میں گاؤں گاؤں کیوں مورچے اور گڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ اس لئے کہ رعیت رئیسوں کی زیادہ ستانی سے تنگ آکر مقابلہ پر مجبور ہو گئی تھی۔ جو مقابلہ کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ وہ دوسرے علاقہ کو بھاگ جاتا۔ اب چونکہ ریاستیں انگریزی حفاظت و حمایت میں آگئی ہیں۔ رعایا کو کھلم کھلا مقابلہ کرنے کی جرات نہیں رہگئی۔ وہ

جانتی ہے کہ رئیس تنہا نہیں انگریزی حکومت کا زبردست سایہ اس کے سر پر ہے۔ تاہم وہ تنگ آکر علانیہ مقابلہ و بغاوت سے کمتر درجہ کے جرم کے اقدام و ارتکاب کا بالعموم حوصلہ کر لیتی ہے۔ چنانچہ ایک زمانہ دیکھ رہا ہے کہ رہزنی۔ ڈکیتی۔ اور ٹھگی کا بازار دیسی ریاستوں میں ہمیشہ گرم رہا ہے۔ اور اگر ان میں اب کچھ تخفیف ہوئی ہے تو زیادہ تر انگریزی حکومت کے ہی جدوجہد سے۔ قصہ مختصر معاملہ کے پرتہ کی سنگینی سے غیر زمیندار اگرچہ ایک حد تک زمین کے خریدنے سے رُک جاتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی زمینداروں کا بھی ستیاناس ہو جاتا ہے۔ اور بدامنی اور سنگین جرایم کی کثرت کی بنیاد قایم ہو جاتی ہے۔ اس کے بالمقابل معاملہ کی نرمی سے انتقال اراضی کے انسداد کے ساتھ ہی زمیندار مرفہ الحال۔ ملک سرسبز۔ رعایا خوشحال۔ اور وسایل تہذیب و شائستگی دن بدن وسیع ہوتے جاتے ہیں۔ جیساکہ بنگال میں اسکا اثر کل دنیا دیکھ رہی ہے۔

ریاست پٹیالہ کے علاقہ برنالہ میں ایک گاؤں تین حکومتوں کی سرحد پر واقع ہے۔ اس کا کچھ رقبہ انگریزی حدود میں ضلع فیروزپور سے متعلق ہے۔ اور باقی دو ریاستوں کے علاقہ میں۔ اس ایک گاؤں کے باشندوں کی ہی نسبتی حالت سے معلوم ہو سکتا ہے کہ سنگینی معاملہ کا کیا اثر ہوتا ہے۔

اسیطرح ہمیں سخت تعجب ہو رہا ہے کہ ہمارا فاضل ہمعصر بار بار رواج قدیم کا سہارا ایکٹ ناکسطرح گوارا کر رہا ہے۔ اگر بفرض محال لخواہ اسکا یہ بیان کہ زمانہ قدیم میں یہاں کی حکومتیں پیداوار کا پانچواں حصہ لیا کرتی تھیں۔ درست بھی ہو۔ کیا وہ اس پہلو پر غور کرنا پسند نہیں کرتا کہ انگریزی قوم کو بیکسوں کی دستگیری جاہلوں کی رہنمائی اور ملک کی سرسبزی کیلئے خداوند کریم نے اس ملک پر تسلط کیا ہے۔ نہ کہ پُرانے زمانہ کی سختیوں کی تجدید اور خرابیوں کے زندہ کرنے کیلئے۔ اگر ہمارا ہمعصر رواج قدیم کا ایسا ہی شیدائی ہے۔ تو پہلے ان تمام قوانین کو حرف غلط محو کرائے۔ جو اکثر قدیم رواجوں کے انسداد کے لئے نافذ ہو چکے ہیں۔ ستی کا دستور اس وقت سے ملک میں چلا آتا تھا۔ جبکہ ابھی مالگذاری اور باقاعدہ حکومت کا کوئی نام بھی نہیں جانتا تھا۔ زمانہ قدیم میں بادشاہ اور عامل کی زبان قانون تھی۔ اور لوگوں کی حیات و ممات

اُن کی مرضی پر منحصر تھی۔ کوئی ضابطہ اور قانون نہ تھا۔ اَب بھی کل ملک میں ایسا کر دیا جائے۔ لیکن زمانہ کا اثر ہے کہ سرحدی اضلاع میں اگرچہ عاملون کو کامل مطلق العنانی دیگئی ہے۔ اور سرسری اختیارات بدرجہ کمال عطا کئے گئے ہیں لیکن پھر بھی اس عامل کو کچھ نہ کچھ ضابطہ کی تعمیل کرنی پڑتی ہے۔ بلا تحقیقات وتجویز خواہ وہ کیسی ہی مختصر کیون نہ ہو کسی کے برخلاف حکم سزا صادر نہیں کر سکتا۔ اسیطرح زمانہ قدیم میں اشٹامپ اور کورٹ فیس نہ تھے۔ اُن کو بھی اُڑا دیا جائے۔ "وقس علیٰ ذالک"۔ اِس تحریر کا مدعا یہہ ہے۔ کہ زمانہ کا رنگ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے۔ جو پالیسی آج سے ایک سو برس پہلے مناسب موضوری نہیں۔ کہ زمانہ حال میں بھی وہ ویسی ہی پائی جائے۔ اگر رواج قدیم ہی کو ہر معاملہ میں راہنما بنایا جائے۔ تو دنیا اِس وقت ایسی ترقی کیحالت میں نہ پائی جاتی۔ جب اَور تمام باتون میں رواج قدیم پر پانی پھیر دیا گیا ہے۔ تو کیا یہہ زمینداروں کا ہی بدنصیب فرقہ ہے کہ وہ رواج قدیم کی زد سے نہیں بچ سکتے۔ اور انکی بربادی کے لئے بار بار اسکی سند پیش کیجاتی ہے۔ کسی مہذب قوم کے فرد کیلئے جہالت اور تاریکی کے زمانہ کے رواج کو اپنی شائستہ اور مہذب حکومت کے سامنے بطور سند پیش کرنا بلاشبہ اسکی قومی شان سے بہت بعید ہے۔ اور محض یہی امر جتانا اِس پیریگراف کا مقصود ہے۔ ورنہ یہ پہلے اچھی طرح ثابت کیا جا چکا ہے۔ کہ قدیم رواج کبھی وہ نہیں رہا جو ہمارا فاضل ہمعصر سمجھے ہوئے ہے۔ اسلامی شریعت بارانی زمین کے لئے عشر۔ چاہی زمین کی پیداوار کا بیسوان حصہ۔ اور غیر مسلم مالکان اراضی کی سیراب زمینون کیلئے معہ آبیانہ وغیرہ ۱۰ عہ فی ایکڑ انتہائی رقم خراج مقرر کرتی ہے۔ زمانہ ہنود میں صرف نہایت اشد ضرورت کے وقت حاکم وقت پیداوار کا چھٹا حصہ لے سکتا تھا اور کہ زمانہ مغلیہ میں بھی معاملہ زمین کا بہرہ علاوہ بیشمار دیگر رعایتون کے موجودہ بہرہ سے بہت ہلکا تھا۔ سکھون کے عہد حکومت کے متعلق کوئی مثال پہلے پیش نہیں کیگئی تھی۔ اِس کمی کو اب پورا کیا جاتا ہے۔ اس امر کا کل انگریز ہمعصرون کو اعتراف ہے کہ اس عہد میں حکومت مغلیہ عہد کی نسبت زیادہ معاملہ لیتی تھی۔ اور کہ جمع بہت سنگین تھی لیکن مندرجہ ذیل مثال سے معلوم ہو جائیگا کہ اِس عہد کا سنگین معاملہ موجودہ معاملہ کے مقابلہ میں بہت ہی نرم تھا۔

موضع فیض پور واقع تحصیل شرقپور کا ایک زمیندار جسکی عمر ستر برس کی ہے۔ اور سکھون کے عہد میں خاصہ جوان تھا۔ بیان کرتا ہے۔ کہ "موضع مذکور میں وہ دو چاہات کا مالک ہے۔ زمانہ قدیم سے دونون کا رقبہ ۶۸- ایکڑ ہے۔ دریائے راوی کے سیلاب کی وجہ سے چاہات میں پانی ہمیشہ بکثرت رہتا تھا۔ خواہ دو دو رہٹ چلاؤ تب بھی کم نہ ہوتا تھا۔ اور بہت قریب تھا۔ ہر ایک قسم کی جنس دہان اور گندم بلا دقت پیدا ہوتی تھی۔ پیداوار اب کی نسبت عموماً ڈیوڑھی دگنی ہوتی تھی سیلاب کی وجہ سے خریف میں شاذ و نادر کھیتون میں پانی دینا پڑتا تھا۔ اور ربیع میں بھی جو۔ اور نخود کو پانی دینے کی ضرورت نہ پڑتی تھی۔ اگر مہاوٹ (سرمائی بارش) نہ ہوتی تھی تو گندم کی فصل کو دو دفعہ کنوئیں سے سیراب کرنا پڑتا تھا۔ چھ قلبہ ران مویشی کے علاوہ ۲۵ راس گاؤمیش اور دو چار گائی ہمیشہ رہتی تھیں جنگل میں گھاس عموماً بافراط ہوتی جسکا کچھ معاملہ نہ دینا پڑتا تھا۔ اور مزروعہ رقبہ ۶۸- ایکڑ کا سالانہ چکوتہ بالمقطع ۵۶ روپیہ سرکار کو ادا کرنا پڑتا تھا۔ اب نہر باری دوآب کی بدولت دریا کا سیلاب برسون سے بالکل جاتا رہا ہے۔ چاہات میں پانی کم اور عمیق ہو گیا ہے۔ پیداوار فی ایکڑ بہت کم ہو گئی ہے۔ ہر فصل کو کئی کئی دفعہ پانی دینا پڑتا ہے۔ شیر دار مویشی اب کبھی دو چار سے زیادہ نہیں ہوئے! ور سرکاری معاملہ اسی ۶۸- ایکڑ رقبہ کا مالعہ ۱۳۱ روپیہ سالانہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ اسٹامپ وغیرہ محاصل سے جو بریت حاصل تھی وہ علیحدہ رہی۔ کوئی بنیا ایک مرلہ زمین کا مالک نہ تھا۔ اور یہ مثل عام زبان زد تھی۔ "بنیون کی زمین نہیں اور کنجر کا باپ نہیں"۔ شادی مہانی پر ابکی نسبت بہت زیادہ روپیہ خرچ کیا کرتے تھے۔ کیونکہ اس اسراف کی گنجایش تھی۔ مہمان نوازی کا یہ عالم تھا کہ سرکردہ زمینداروں کے ہان توا ہر وقت چولھے پر رہتا تھا۔ اب یہ حالت ہے کہ بلا کسی ذاتی غرض یا ملاحظہ کے کوئی اجنبی آنکھون کے سامنے فاقہ سے مر جائے۔ ایک روٹی بھی نہیں دیجا سکتی"۔

اس بالکل سچے بیان سے ہمارا ہمعصر اندازہ کر سکتا ہے کہ آیا اب معاملہ کا بار تہ ہلکا ہے یا زمانہ قدیم میں ہلکا تھا۔ اور کیا معاملہ کی زیادتی زمیندار کی بہبودی اور انتقال کے انسداد کا باعث ہوتی ہے۔ یا کہ اسکی نرمی ہمعصر موصوف کا یہ بیان بھی بہت کچھ اصلاح طلب ہے کہ "دیسی ریاستون میں بہتہ لگتا ہے" اکثر میں بیشک ایسا ہی ہے

اور ان کی اندرونی حالت جیسی کچھ ہے اسکی تشریح اوپر ہو چکی ہے لیکن سب میں ایسا نہیں۔ بلکہ بعض میں پر نہ نسبتاً بہت ہی ہلکا ہے۔ صادق الاخبار بہاولپور مورخہ ۱۴ اکتوبر ریاست مذکور کے ایک موضع سرواہی کے ایک محال کی سالانہ جمع جسکا رقبہ ۲۳۸۰ ایکڑ سے کچھ زیادہ ہے۔ یہ لکھتا ہے جمع کی ایسی تیکی کی بدولت فاضل مضمون نگار کے اصول کے مطابق چاہیئے تھا کہ اب تک کل زمین زمینداروں کے ہاتھ سے نکل گئی ہوتی لیکن ۱۸۹۵ء تک پانچ برسوں میں وہاں کل ۸۰ ہزار ایکڑ اراضی بیع ہوئی جس قلیل المقدار رقبہ کا بھی حصہ کثیر غالباً زمینداروں کے ہی حق میں منتقل ہوا ہوگا۔ ساہوکار خرید نے والے کم ہی ہونگے۔ ان شہادتوں سے ہمارے ہمعصر کی غالباً کافی تشفی ہو گئی ہوگی جس کا مشورہ زمینداروں کے حق میں ہی سم قاتل نہیں بلکہ زمانہ کی رفتار اور موجودہ گورنمنٹ کی شان سے بھی بہت بعید ہے۔ اور ہمیں رہ رہ کر تعجب ہوتا ہے۔ کہ ہمعصر سول میں ایسا مہلک مشورہ شائع کسطرح ہو گیا۔ جو ابھی ۱۸۹۵ء کا ذکر ہے کہ اضافہ آمدنی کے وسائل پر بحث کرتا ہوا یہ لکھ رہا تھا کہ آمدنی بڑھانے کی خواہ کیسی ضرورت ہو۔ اور خواہ کوئی اور سبیل اس مدعا کے حصول کی موجود ہو یا نہ ہو۔ جہانتک معاملہ اراضی اور محصول نمک کا تعلق ہے۔ اس میں اضافہ کرنے کی کوئی گنجایش نہیں رہگئی۔ اس میں اگر کچھ بھی اضافہ کیا گیا تو زمینداروں کی کمر بوجھ کی گرانباری سے بالکل ٹوٹ جائیگی۔ ۱۸۹۷ء تو پھر بھی دور کی بات ہے۔ شاید اُسے اپنی یہ تحریریں جو متعدد لیڈروں کی صورت میں شایع ہوئی تھیں یاد نہ رہی ہوں یہ اسی سال کے ماہ مارچ کی بات ہے۔ کہ اس نے لارڈ سالسبری کی اس رائے کو جو آپ نے بحیثیت وزیر ہند ۱۸۷۵ء میں ظاہر کی تھی بنظر استحسان دیکھا تھا۔ رائے مذکور یہ ہے:۔

"جہاں تک ممکن ہو مناسب ہے کہ دیہاتی آبادی سے ملک کے اخراجات کا اب کی نسبت تھوڑا حصہ وصول کیا جائے۔ یہ قرین دانش نہیں کہ آمدنی کا بڑا حصہ دیہاتی علاقوں سے جہاں روپیہ کم ہوتا ہے حاصل کیا جائے۔ اور شہروں کو بہت سستا چھوڑ دیا جائے۔ جہاں روپیہ عموماً وافر ہوتا ہے۔ اور لغویات میں صرف ہوتا ہے۔"

افسوس ہمارے محترم ہمعصر نے اب اس نہایت مناسب رائے کو نظرانداز ہی نہیں کر دیا۔ بلکہ اس کے عین برعکس مشورہ دے رہا ہے۔ حالانکہ ملکی و قومی خیر خواہی۔ عالی ظرفی عیست پروری۔ اور حالات موجود الوقت کا اقتضا یہ تھا اور ہے کہ وہ گورنمنٹ ہند کو سابق

وزیر ہند اور حال وزیر اعظم سلطنت برطانیہ کی اس رائے پر جو کمال دور اندیشی اور
تدبر پر مبنی ہے۔ حتی الوسع کاربند ہوتے رہنے کی صلاح دیکر ہر ممکن سے ممکن ذریعہ
سے رائے مذکور کی معقولیت اور اس پر عملدرآمد کئے جانے کی ضرورت واضح کرتا رہتا
اگر وہ اپنی نظر کو صرف دیسی ریاستوں تک محدود نہ رکھتا۔ اور دنیا کی تمام مہذب
سلطنتوں بلکہ خود اپنی ہی قوم کی سلطنت اور مدت کے دیگر مقبوضات کی حکومتوں کے
اس برتاؤ پر نظر دوڑاتا۔ جو وہ اپنے زمینداروں سے مرعی رکھتی ہیں۔ تو اُسے اس
تائید کیلئے زائد از ضرورت مصالح ملجاتا۔ اور ساتھ ہی اُسپر یہ بھی منکشف ہوجاتا کہ فوجی
مصارف اور دیگر اخراجات سلطنت کیلئے روپیہ بہم پہونچانے کا ذمہ وار خداوند کریم
نے زمینداروںکو ہی نہیں بنا رکھا۔ نہ اور سلطنتیں ہی ان کو ان مصارف کا واحد
ذمہ وار سمجھتی ہیں۔ جیسا کہ اسکا خیال ہے کہ ضرورت تو ہو کل ملک کی حفاظت کیلئے دس
دس کروڑ زاید روپیہ کی۔ اور لئے جائیں وہ صرف بیکس و خستہ حال زمینداروں سے۔ کیا
اس لئے کہ وہ دوسری قوموںکی طرح چینخنا چلانا نہیں جانتے۔ ان کو ایجی ٹیشن کا ڈھب
نہیں آتا۔ اور پارلیمنٹ تک جاکر فریاد کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔ اور خواہ اُن پر کسقدر
بار لاد دیا جائے منھ سے اُف نہیں کرتے۔ خواہ اس سے اُن کا دم گھٹا جاتا ہو۔ ایسے
بے زبان رحم کے قابل ہوا کرتے ہیں۔ یا کہ اور زیادہ زیر بار فلاکت کئے جانے کے ؎

مرتے کو مارنا بیدردی ہے۔ یہ ہے بہت دور جوانمردی سے

شکایت نہ کرنے والوں پر حق ناحق بوجھ لادتے جانا اور جایز و مناسب محاصل کے ہلکے سے
ہلکے بار سے بھی ناراض ہوجانے اور کائیں کائیں کرتے رہنے اور جہان کو سر پر اُٹھا
لینے والوں سے طرح دیجانا شیوہ مردانگی نہیں۔ آئندہ مضمون میں ہم یہ دکھانے کی کوشش
کرینگے کہ دیگر ممالک مصارف ملک کیلئے زمیندار کو کس حد تک ذمہ وار سمجھتے ہیں۔ اور
ان ضرورتوں کو کس طریق سے پورا کر رہے ہیں۔

پچھلا نمبر اس فقرہ پر ختم کیا گیا تھا کہ ہمارے معزز ہمعصر کو لارڈ سالسبری کی نہایت
ہی برجستہ رائے کی تائید کیلئے دنیا کی تمام مہذب سلطنتوں کے طریق عمل سے کافی
بڑھکر مصالح ملسکتا تھا۔ اور چونکہ اس نے اس مصالحہ سے فایدہ اٹھانا نہیں چاہا
ہم اس کی اس فروگذاشت کی تلافی کرینگے۔

فاضل مضمون نگار اپنے مضامین کا اصل مدعا آخر میں جاکر یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ زمینداروں کی بہتری ہو یا نہ ہو اور زیادتی معاملہ سے انتقال رکیں یا نہ رکیں۔ بات یہ ہے کہ سرکار کو ہندوستان کی حفاظت کیلئے موجودہ فوجی خرچ میں ۱۲-۱۴ کروڑ سالانہ کا اضافہ کرنا لازمی ہے۔ یہ رقم موجودہ مالیہ کو جسکی مقدار ۲۲ کروڑ روپیہ ہے۔ ڈیوڑھا کر دینے سے حاصل کرنی چاہیئے۔" وہ مانتا ہے کہ "زمیندار کی اوسط سالانہ آمدنی میں سے موجودہ سرکاری مطالبہ کیلئے بھی گنجایش نہیں نکل سکتی"۔ لیکن پھر کمال سنگدلی سے کام لیکر فوراً ہی یہ ایزاد کرتا ہے کہ "گورنمنٹ کو اس سے غرض نہیں۔ قدیم الایام سے عہد مغلیہ تک معاملہ کی تشخیص میں یہ سوال کبھی پیش نہیں ہوا کہ زمیندار ادائے معاملہ کی استطاعت رکھتا ہے یا نہیں۔ موجود الوقت حکومت خواہ زمیندار میں سکت ہو یا نہ ہو۔ اس ملک کی حفاظت کیلئے روپیہ حاصل کرتی رہی ہے۔ اسیطرح اب گورنمنٹ نے ضروری مصارف کیلئے بہر حال روپیہ حاصل کرنا ہے۔ اور ہندوستان کی حفاظت ضروری ہے۔ اور تمام سمجھدار آدمی اس بارہ میں گورنمنٹ کا ساتھ دینگے کہ ان مصارف کیلئے زمین ہی سے روپیہ حاصل کرنا ضروری ہے"۔

ہندوستان سے باہر یا اندر کوئی مدبر اسے کبھی تسلیم نہیں کریگا۔ کہ ملک کی حفاظت کیلئے جسقدر مصارف ضروری ہیں۔ انکی ذمہ وار فقط زمین ہے۔ البتہ ایک خاص جماعت بیشک اس خیال کی پائی جاتی ہے۔ وہ سمجھدار بھی ضرور ہے مگر ایسی سمجھ جس میں خود غرضی کا مادہ بہت بڑھا ہوا ہے۔ اس جماعت کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ ملک کے مصارف کا بوجھ بحصہ رسدی اٹھانے سے جسطرح ہو اپنا پہلو بچائی رہے اور جب کبھی زائد محاصل کی ضرورت ہو غریب و بیکس اور بے زبان زمینداروں کیطرف اشارہ کر دے۔ کہ سونے کی چڑیا۔ یہی فاقہ کش فرقہ ہے۔ اور خود بلا مبالغہ سونے کی چڑیا ہونے کے باوصف ہمیشہ اپنے تئیں مٹی کی چڑیا ظاہر کرتے رہیں۔ اور اگر ان کے مال و متاع پر ایک فیصدی بھی محصول زیادہ کرنے کی تجویز ہو تو آسمان کو سر پر اٹھالیں۔ انکم ٹیکس اور محاصل پارچات وغیرہ وغیرہ قسم کے ٹیکسوں کی مخالفت کی تاریخ جاننے والے بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ کہ یہ خاص جماعت کونسی ہے۔

اس فقرہ میں لایق مضمون نگار نے پھر قدیم رواج پر زور دیا ہے۔ مگر ہ

پہلے دکھا چکے ہیں۔ کہ انگلشیہ حکومت اصلاح کیلئے اس ملک پر متسلط ہوئی ہے نہ کہ سلف کی کورانہ تقلید کرنے کیلئے۔ اور پھر کمال یہ ہے کہ قدیم زمانہ میں بھی کسی وقت صرف زمین کو حفاظت ملک کے مصارف کا ذمہ وار ہندوستان کے والیان ملک نے نہیں سمجھا تھا۔ اورنگ زیب کے عہد میں مالیہ زمین کی آمدنی سلطنت کی کل آمدنی سے تہائی چوتھائی رہی منو کے احکام کے مطابق بھی بادشاہ چھ ابواب سے آمدنی حاصل کرتا تھا یعنی مالیہ زمین کے علاوہ آمدنی کی پانچ اور بھی مدیں تھیں۔ زمین کی پیداوار کا پانچواں حصہ کبھی سرکاری حق نہیں سمجھا گیا تھا۔ بلکہ زمین کی نوعیت اور کسان کی محنت کے لحاظ سے بارھوان۔ آٹھوان۔ اور چھٹا (دیکھو منو کے احکام باب ہفتم صفحہ ۱۳۰) عام شرح بارھوان حصہ تھی۔ ضرورت کے وقت آٹھوان اور اشد ضرورت کیوقت چھٹا حصہ بھی لیا جاسکتا تھا۔

وطن اس بارہ میں فاضل نویسندہ سے بالکل اتفاق رائے رکھتا ہے۔ کہ فوج کے بڑھانے اور مزید استحکام کی اشد ضرورت ہے۔ ہمارے لایق ہمعصر سول نے تو اب محاربہ ٹرانسوال کو دیکھکر یہ رائے ظاہر کی ہے۔ اڈیٹر وطن کئی برس ہوئے جبکہ بری فوج کے اضافہ کا کوئی سوال درپیش نہ تھا۔ اور بحری فوجکو ہی ہر ضرورت کیلئے کافی سمجھا جاتا تھا۔ تنازعہ وینی زولا اور مہم جمیسن بلکہ پہلے تنازعہ ٹرانسوال کے زمانہ میں متعدد مضامین لکھکر یہ ثابت کیا تھا۔ کہ صرف بحری فوج پر انحصار رکھنا ٹھیک نہیں سلطنت انگلشیہ کی وسعت اور اس کے اکثر مقبوضات کے محل وقوع کے لحاظ سے موجودہ بری فوج بالکل غیر مکتفی ہے۔ ہندوکش کی چوٹیوں۔ ہندوستان کی شمال مغربی سرحد۔ مشرقی ایران و بلوچستان کے کغدست میدان یا کینیڈا اور صوبجات متحدہ کی کئی سو میل لمبی مشترکہ سرحد پر ہمارے جہاز کوئی کام نہیں دیسکتے۔ وہ جسطرح مفروض مظالم آرمینا کے وقت انگلستان کے مطالبات کو سلطان المعظم سے منوانے کیلئے کوہ ارارٹ اور کردستان کے کوہساروں کو انگریزی سوا سوا سو ٹن کی توپوں کے گولوں کی زد میں نہیں لاسکتے تھے اسیطرح شمال مغرب کیطرف سے ہندوستان پر دشمن حملہ آور ہونے سے۔ یا سیام کی طرف سے فرانس کو برہما کی طرف چھیڑ خانی کرنے سے یا صوبجات متحدہ امریکہ کو کسی زمانہ میں کینیڈا پر تاخت و تاراج کرنے سے روکنے میں کوئی مدد نہیں دیسکتے۔ اس کیلئے بری فوج کی ضرورت ہے۔ جسکی موجودہ تعداد

ہرگز اس قدر نہیں ہے کہ وہ ان تمام ضروریات کو پورا کر سکے۔ اسوقت کسی نے ان معروضات کی پرواہ نہ کی۔ ایک دیسی اخبار کی ایسی رائے کو اور بھی کسی وقت نہیں۔ بظاہر بالکل امن وامان اور بیفکری کے زمانہ میں مدبران ملک اور یورپین اہل الرائے کب قابل التفات سمجھ سکتے تھے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ محاربہ ٹرانسوال نے سب کی آنکھیں اچھی طرح کھولکر ان کو یہ نہایت خوفناک کمی محسوس کرا دی ہے۔ محاربہ مذکور اپنی طوالت اور اس بے انتہا و غیر متوقع نقصان جان و مال کی وجہ سے۔ جو اس میں اٹھانا پڑ رہا ہے۔ کمال روح فرسا اور منحوس محاربہ ہے۔ مگر اس سبق کی وجہ سے۔ جو اس سے حاصل ہؤا ہے اسے ایک طرح سے نہایت مبارک جنگ کہنا غلط نہیں ہو سکتا۔

قصہ مختصر فوج کے اضافہ میں تو وطن بھی اپنے ہمعصر سے متفق ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے۔ کہ لایق نویسندہ نے اڈیٹر وطن کی ایک پرانی رائے سے اب آکر اتفاق کیا ہے۔ بحث ہے تو صرف اس امر پر کہ اول آیا یہ اضافہ کسی زائد خرچ کا یا ٹھیک تیرہ چودہ کروڑ روپیہ کی ہی زیادتی کا مقتضی ہے۔ یا اس سے کم خرچ پر بھی یہہ مدعا حاصل ہو سکتا ہے۔ دوئم یہ کہ کیا اس زیادتی کو اُٹھانے کا ذمہ وار فقط ہندوستان ہی ہے۔ انگلستان کو اس سے کچھ تعلق نہیں۔ اور کیا ہندوستان میں آبادی کا ایک ہی حصہ یعنے زمینداروں کی جماعت ہی حکومت کی فیوض و برکات اور امن وامان کے فوائد سے مستفیض ہو رہی ہے۔ اور وہی حفاظت ملک کے مصارف کی کفیل ہے۔ یا کہ کل آبادی پر یکسان اسکا بوجھ تقسیم ہونا چاہیئے۔

اس وقت ہندوستان کی اوسط فوجی جمعیت یہ ہے۔ ۷۵ ہزار گورہ فوج و تخمیناً چارسو توپیں۔ اور ڈیڑھ لاکھ دیسی فوج و ۴۸ اتواپ۔ جملہ سوا دو لاکھ آدمی و تخمیناً ساڑھے چارسو توپیں۔ جس کا سالانہ خرچ تخمیناً ۲۵-۲۶ کروڑ روپیہ سالانہ ہے۔ غدر سے ایک سال پہلے فوجی جمعیت بہ تفصیل ذیل تھی۔ گورہ فوج ۳۸ ہزار و ۲۷۶ اتواپ۔ دیسی فوج تین لاکھ ۴۸ ہزار اور ۲۴۸ اتواپ۔ جملہ تین لاکھ ۸۶ ہزار سپاہ اور ۵۲۴ توپیں۔ اور خرچ سالانہ بارہ کروڑ روپیہ تھا۔ یعنے ۱۸۵۵ء میں ایک لاکھ ۱۱ ہزار سپاہ اور ۷۵ توپیں زیادہ تھیں۔ اور خرچ اب کی نسبت تیرہ کروڑ روپیہ کم تھا۔ اِس زیادتی میں ممکن ہے۔ دو تین کروڑ روپیہ کی رقم پنشن یافتوں کی پنشنوں کمسریٹ

وٹرانسپورٹ کے نسبتاً عمدہ انتظام۔ اجناس خوردنی کی گرانی اور نئے نئے آلات حرب کی خریداری کا خرچ ہو۔ باقی دس کروڑ روپیہ کی رقم معہ اِس بچت کے جو دو لاکھ دیسی سپاہ کو کم کر دینے سے ہوئی۔ اِس زیادتی کا نتیجہ ہے جو گورہ فوج میں کیگئی یعنی تقریباً ۲۷ ہزار گورہ فوج کا جو زیادہ کیگئی سالانہ خرچ دو لاکھ دیسی سپاہ کے مصارف اور دس کروڑ روپیہ کے برابر ہے۔ ہندوستان میں انگریزی حکومت کے قیام اور دیسی فوج کی پشت پناہی اور ہدایت کرنے کیلئے کچھ نہ کچھ گورہ فوجکا ملک میں موجود رہنا نہایت ضروری ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ دونوں کی باہمی نسبت کیا رہنی چاہیئے۔ غدر سے بعد گورہ فوج دیسی سے نصف رکھی جا رہی ہے۔ اِس سے پہلے دونوں کی نسبت وہی تھی جو ایک کو نو سے ہے۔ دیسی فوج کے بڑے حصہ نے بغاوت کی۔ اور حالانکہ توپخانہ بھی گورہ فوج کی نسبت دیسی فوج کے پاس کچھ ہی کم تھا۔ گورہ سپاہ وفادار پُرانی و نئی دیسی سپاہ کی مدد سے پیشتر اِس کے کہ انگلستان سے ایک سپاہی کی بھی مدد پہونچے بغاوت کو فرو کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ غدر کے اسباب پر بحث کرنا لاحاصل ہے۔ لیکن یہ کہدینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ مانا جا چکا ہے کہ اسباب مذکور کے پیدا ہونے کا الزام خود دیسی سپاہ پر کچھ زیادہ عاید نہیں ہوتا۔ بہت کچھ دخل ان لوگون کا تھا جنہون نے وارن ہسٹینگز کے زمانہ میں بھی بغاوت کرانے کی ناکام کوشش کی تھی۔ بہرکیف اب دیسی سپاہ کی وفاداری کافی طور پر آزمائی جا چکی اور مسلم الثبوت ہے۔ پھر بھی بنظر احتیاط گورنمنٹ اگر سابقہ نسبت ایک و نو کو قایم نہ کرنا چاہے تو کسی کو شکایت نہیں۔ لیکن موجودہ نسبت ایک اور دو کو بھی برابر قایم رکھنے کی اب کوئی وجہ نہیں رہگئی۔ دونون نسبتون کی اوسط ایک و ۵½ کو اختیار کرنا کسیطرح خلاف مصلحت نہیں ہو سکتا۔ فوجی بصیرت کی رائے میں حفاظت ملک کے لیئے کم از کم ڈیوڑھی یعنے ساڑھے تین لاکھ فوج درکار ہے۔ اِسوقت گورہ فوج کی جمعیت ۷۵ ہزار مقرر ہے۔ گو جنگ ٹرانسوال کے وقت سے بارہ تیرہ ہزار فوج جنوبی افریقہ میں موجود ہے۔ راسے آیندہ پچاس ہزار رکھا جائے۔ اور دیسی فوجکی تعداد تین لاکھ کر دیجائے۔ اِس کے علاوہ ۲۶ ہزار والنیٹر فوج ہوگی۔ اور ۲۰ ہزار امپیریل سروس ٹروپس یعنے ۷۰ ہزار گورہ و یوریشین اور تین لاکھ بیس ہزار دیسی فوج

یعنے دیسی فوج کی تعداد گورہ فوج سے تقریباً ساڑھے چارگنی رہیگی پچیس ہزار گورہ فوج نظام کے مصارف کی بچت سے زائد دیسی فوج کا خرچ باسانی نکل آئیگا۔ ادھر انگلستان کی حکومت جو فوج کے لئے ہر وقت ہل من مزید کی صدا لگا رہی ہے۔ اور انگلستان میں اس وقت نظام فوج کی اسقدر کمی ہے۔ کہ جنرل ہُنر کو جو ابھی الڈر شاٹ یعنے اول جیش کی کمان سے معزول ہوئے ہیں۔ یہ کہنا پڑا تھا۔ کہ وہ فوج کہاں ہے جسکی کمان مجھے ملنے پر اسقدر شور و غل برپا ہو رہا ہے۔ اس پچیس ہزار فوج کے واپس ملنے پر صدق دل سے مشکور ہوگی۔ اس میں سے متذکرہ بالا بارہ تیرہ ہزار اُسے مل چکی ہے۔ باقیماندہ بارہ ہزار اب دیدیجائے۔ اسطرح حکومت بلا ایک حبہ زائد خرچ کرنے کے چار لاکھ فوج تیار کر سکتی ہے۔

اگر خاص مصلحتوں اور سیاسی وجوہات پر ایسا نہ ہو سکتا ہو۔ اور گورہ فوج کی موجودہ جمعیت کو کم کرنا کسیطرح منظور نہ ہو۔ تو کیا یہ بھی ضروری ہے کہ آئندہ کیلئے جو اضافہ منظور ہو۔ اس میں بھی گورہ و دیسی فوج کی یہی نسبت رہے۔ لاکھ ڈیڑھ لاکھ یعنے جسقدر اضافہ منظور ہو۔ وہ صرف دیسی فوج میں کیا جائے۔ جسکا سالانہ خرچ دو اڑھائی کروڑ روپیہ سے کسیطرح زیادہ نہ ہوگا۔ اس قدر رقم کی موجودہ محاصل سے باسانی گنجائش نکل سکتی ہے۔ اگر بفرض محال محض دیسی فوج میں جو وفاداری و جان نثاری کے علاوہ کار آگہی اور اپنے اعلیٰ سپاہیانہ اوصاف کا بھی شافی ثبوت دیچکی ہے مستقل اضافہ کرنا پسند نہ ہو۔ تو اسکی سہل تدبیر یہ ہو سکتی ہے۔ کہ اسقدر سپاہ ریزرو طریق پر تیار کیجائے۔ جسکا یہ نتیجہ ہوگا کہ خرچ بالکل ہی کم ہو جائیگا۔ اور ضرورت کے وقت سیکھے سکھائے آدمی ملجائیں گے۔ زمانہ امن کیلئے کسی اضافہ کی احتیاج نہیں۔ اسکے لئے زائد از ضرورت فوج موجود ہے۔ ہمیں مدافعت اور بیرونی جنگ کے لئے زاید سپاہ درکار ہے جس کے لئے یہ ریزرو سپاہ جو ابتدائی مشق و قواعد کے علاوہ ہر سال مہینہ دو مہینہ قواعد کرتے رہنے سے ہر جدید اصول حرب سے واقفیت پیدا کرتی رہی ہوگی ایک ہفتہ میں جمع ہو سکیگی۔ اس ریزرو سپاہ کا سالانہ خرچ دیسی فوج نظام کے خرچ سے بمشکل ایک چوتھائی ہوگا۔ یعنی تیرہ چودہ کروڑ روپیہ کی مزید رقم میں نو دس کروڑ روپیہ جس کام کے لئے مانگا جاتا ہے۔ وہ لاکھوں میں نکل آئیگا۔ باقیماندہ تین چار کروڑ روپیہ کا بڑا مصرف

یہ بتایا جاتا ہے کہ دیسی فوج میں یوربین افسر کم ہیں۔ اِس مسئلہ اور دوسری کمشنون کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے :۔

چونکہ فوجی مبصر یہ کہتے ہیں کہ دیسی فوج میں یوربین افسرون کی تعداد کم ہے ہمیں اِس کے تسلیم کرنے سے چارہ نہیں۔ نہ اس سے انکار ہو سکتا ہے۔ کہ دیسی افسر اور یوربین افسر ہر معاملہ میں یکسان نہیں ہیں۔ دیسی افسر وفاداری۔ جان نثاری۔ بہتات اور شجاعت میں یوربین افسر سے شاید ہی کچھ کم ہو۔ لیکن دونوں کی علمی قابلیت و سائنٹیفک لیاقت میں بلاشبہ زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اور اسی لیئے جو کام یوربین افسر دیسکتا ہے۔ وہ دیسی افسر نہیں دے سکتے۔ مگر بحث یہ ہے کہ آیا دیسی افسر میں بھی اپنے یوربین بھائی کے ہم پلہ بننے کی استعداد اور قابلیت ہے یا نہیں۔ اور اگر ہے تو کیا اسکی اس استعداد کو نشو و نما دلانا قرین مصلحت ہوگا یا نہیں۔ صدیون کے قومی انحطاط نے گو باشندگان ہندوستان کے کیریکٹر کو ایسا پختہ او مستحکم نہیں رہنے دیا جیساکہ یوربین اقوام کا ہے۔ مگر یہ مانی ہوئی بات ہے کہ مناسب تربیت اور معقول تعلیم کی مدد سے ہندوستانی اب بھی یوربین اقوام کے لگ بھگ بنائے جا سکتے ہیں۔ اگر وہ ایسے نہیں ہوئے تو یہ اُن کا اپنا قصور نہیں۔ بلکہ اس مصلحت کا جس نے انکو ایسا بنانے کی اجازت نہ دی۔ بالفاظ دیگر اغراض و مصالح ملک داری کے لحاظ سے حکمران قوم نے محکوم آبادی کو ایسی فوجی تربیت و تعلیم دلانا مناسب نہ سمجھا جس سے وہ بھی فوجی افسری کا کام ویسی ہی عمدگی سے دینے کے قابل ہو جاتے جیسی عمدگی سے یوربین افسر دے رہے ہیں۔ اگر موجودالوقت اور مستقبلہ حالات کا تقاضا بھی اسی پالیسی کو برابر قائم رکھنے کا ہو۔ تو پھر بلاشبہ یوربین افسرون کی تعداد بڑھانی پڑتی ہے۔ لیکن اگر اب حالات بالکل بدل گئے ہون۔ اور ہندوستانی رؤسا اور باشندگان انگریزون کو غیر قوم فاتح اور اپنے آپ کو محض محکوم سمجھنے کی بجائے مغائرت اور اجنبیت کو قطعاً دور کرکے سب کو ایک ہی بڑے کنبے کے افراد۔ اور ایک ہی تسبیح کے دانے سمجھ رہے ہون۔ اور قیصر ایڈورڈ کو ایک اجنبی بادشاہ تصور کرنیکی بجائے جو بزور شمشیر ان پر حکمران ہو۔ اسیطرح اپنا قومی بادشاہ جانتے ہون۔ جسطرح انگریز یا سکاچ۔ تو یقیناً محولہ بالا پالیسی کو ترک یا ترمیم کرنے اور اس امر کا وقت آگیا ہے۔

کہ ہندوستانیون کو بھی ہر مناسب تدبیر و کوشش سے اپنے یورپین فیلو سبجکٹس کے برابر اپنی قومی حکومت کی خدمت کرنے کے قابل بنایا جائے۔ اگر ہندوستانیون کو اعلےٰ فوجی تعلیم باضابطہ دلائی جائے تو ممکن نہیں۔ کہ وہ یورپین افسرون جیسا اچھا کام نہ دے سکیں۔ اور ان کا خرچ یورپین افسرون سے کئی حصہ کم ہوگا۔ روس دیسیون کو جرنیلی تک کا رتبہ عطا کر دیتا ہے۔ اور اب تک یہ شکایت سننے میں نہیں آئی کہ کسی جنرل علی خانوف یا کرنیل حسین خانوف کا کام کسی سکوبیلاف یا اغناٹیف سے بُرا رہا ہو۔ خوشی کا مقام ہے کہ گورنمنٹ نے امپیریل کیڈٹ کور قائم کرنے سے رئیس زادونکی کچھ تعداد کیلئے اعلیٰ فوجی خدمت کر سکنے کا راستہ کھولدیا ہے۔ لیکن اوس سے کبھی پیاس بجھا کرتی ہے۔ ضرورت ہے کہ عام رعایا کو بھی اسیطرح قابل اعتماد سمجھا جاوے کئی ہزار زائد افسرون کی ضرورت بیس چالیس رئیس زادونکی بھرتی سے پوری نہیں ہوسکتی۔ اس کا اسیطرح تدارک ہو سکتا ہے کہ ہزارہا نوجوانون کو اپنی قیصر کی جان نثارانہ خدمت اور ملک کی دانشمندانہ حفاظت کر سکنے کے لائق بنایا جائے کیونکہ جب تک دیسی افسر بھی پورے قابل نہ بنائے جائیں۔ دیسی فوج کے موجودہ یورپین افسرون کی تعداد میں خواہ فی پلٹن تین چار کی بجائے چھ چھ یورپین افسرون کا اضافہ کیا جائے۔ فوج کو ہر طرح سے لایق اور قابل کار بنانے کی غرض کبھی حاصل نہیں ہوگی۔ جنگ میں بارہا ایسا ہوتا ہے کہ میجر سے لیکر کل کمپنیون کے کپتانون بلکہ اول لفٹنٹون تک ہلاک و زخمی ہوجاتے ہیں۔ اور کمپنی بلکہ پلٹن کی کمان نن کمیشنڈ افسرون کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے۔ یہ نن کمیشنڈ افسر دیسی فوج میں صوبیدار و رسالدار وغیرہ ہیں۔ جو کامل فوجی تعلیم سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے ایسے موقعون پر ٹھیک کام نہیں دیسکتے۔ پس اس نقصان کی تلافی اسطرح ہوسکتی ہے کہ یورپین افواج کی طرح پلٹن کے تمام افسر اعلیٰ ہون یا ادنیٰ۔ دیسی ہون یا یورپین۔ مناسب فوجی تعلیم و تربیت سے بہرہ اندوز ہون۔ صرف یورپین افسرون کی زیادتی۔ دیسی افسرون کی بے علمی اور علم حرب کی مختلف فروعات سے ناواقفیت کی کمی کو پورا نہیں کرسکتی۔ نہ دیسی فوج کی حالت بہر نہج اطمینان بخش کہی سکتی ہے۔

لیکن اگر والیان امور اور مشیران سلطنت پرانی پالیسی کو نہ چھوڑنا چاہیں۔ اور فوج کا استحکام ایسے ہی طریق سے کرنا ضروری سمجھیں۔ جس میں ۱۳-۱۴ کروڑ روپیہ کا زائد خرچ پڑتا ہو۔ تو یہ سوال پیدا ہوگا کہ کیا اس زائد خرچ کا بھی جیسا کہ ہمارے معزز ہمعصر کے قابل مضمون نگار کا خیال ہے۔ فقط ہندوستان ہی ذمہ وار ہے۔ انگلستان کے خزانہ سے کوئی مدد نہیں پہنچانی چاہیئے۔ برطانیہ کلان کے ٹیکس گذار تو بیشک یہی کہیں گے۔ اور اس میں بھی شک نہیں۔ کہ ہندوستان کی حفاظت کیلئے ہی یہ خرچ اٹھانا پڑیگا۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا قبضہ ہندوستان سے انگریزی سلطنت اور انگریزی قوم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا۔ "پیکس برٹینیکا" یعنے برطانیہ کی امن حکومت سے صرف اکیلا ہندوستان ہی بلا شرکت غیرے مستفید ہو رہا ہے؟ اس سوال کا جواب کوئی واقفکار اثبات میں نہیں دیگا۔ انگریزی حکومت نے اگر ایک طرف ہندوستان کی بد امنی اور خانہ جنگیوں کا خاتمہ کر دیا ہے۔ رعایا کے جان و مال کو محفوظ کر دیا ہے۔ جہالت کی تاریکی کو علم و فضل کی روشنی سے بدل رہی ہے۔ اور ملک کو شائستہ بنانے میں قابل ستایش سعی و کوشش کر رہی ہے۔ تو ویسے ہی دوسری طرف انگلستان کو بھی ہندوستان کے قبضہ سے ہزارہا اخلاقی فوائد و منافع حاصل ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ انگلستان کی قدر و منزلت دنیا کی سلطنتوں میں اس قبضہ سے دہ چند بڑھ گئی ہے۔ اس کے تمول میں بھی بلا مبالغہ ہندوستان کی حکومت اور تجارت کے طفیل سوگنا اضافہ ہو گیا ہے۔ اور کئی لاکھ فرزندان برطانیہ ہندوستان کی کمائی پر بفکری کے ساتھ بسر اوقات کر رہے ہیں۔ دنیا کے کسی حصہ میں انگریزی حکومت یا قوم کو مزدور و رسد و سامان حرب و ضرب سپاہ یا مویشی کی ضرورت ہو۔ ہندوستانی مال و جان سے حاضر ہیں۔ خدانخواستہ اگر کبھی ہندوستان انگریزوں کے تصرف سے نکل جائے۔ تو گو ہندوستانیوں کو بھی قدر عافیت معلوم ہو جائے۔ لیکن انگلستان کو سیاسی۔ مالی اور تجارتی لحاظ سے جو ضعف پہونچے۔ وہ اس نقصان سے بدرجہا زیادہ ہوگا۔ جو ہندوستانیوں کو اٹھانا پڑیگا۔ انقلاب سلطنت ہمیشہ رعایا کی بربادی کے مرادف ہوتا ہے۔ مگر آجکل کی شائستگی کے زمانہ میں کوئی حکومت ایسی سنگدل یا جابر نہیں ہو سکتی۔ کہ وہ جلد رعایا کی حالت کو سنوارنا

نہ سمجھے۔ یہی زمانہ پر کچھ موقوف نہیں۔ تاریکی وجہالت کے زمانوں میں بھی ان فاتحین کو جو کسی ملک میں مستقل طور پہ حکومت کرنے آتے۔ چنگیز یا نادر کیطرح لوٹ کھسوٹ کر پچھلے پاؤں مراجعت کرجانا ان کا مدعا نہ ہوتا۔ رعایا کی بہتری کا خیال نہ سہی خودغرضی جلد مجبور کردیتی تھی کہ وہ رعایا کی خوشحالی سے بے فکر نہ رہیں۔ تیمور بڑا ظالم فاتح سمجھا جاتا ہے۔ مگر جن ممالک کو وہ دائمی طور پر اپنے زیر نگین رکھنے کا ارادہ کرلیتا تھا وہاں کی رعایا کی فلاح وبہبود اور خوش نسقی وحسن انتظام کیلئے ایسا عمدہ بندوبست کرتا کہ ان قوانین کو اس وقت بھی حیرت وتعجب کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اور حیرانی پیدا ہوتی ہے۔ کہ کیا ایسا شخص بھی کبھی ایسا اعلیٰ منتظم ومدبر اور کمال رعیت پرور ہوسکتا ہے۔ الغرض ہندوستانیوں کی حالت کچھ مدت بعد پھر کچھ نہ کچھ سنور جانے کی کم از کم توقع ہوسکتی ہے۔ لیکن انگلستان کو ہندوستان کو بیٹھنے سے جو صدمہ پہونچے۔ اسکی تلافی شاید ہوسکیگی۔ اندریں حالات انصاف مقتضی ہے کہ انگلستان اور ہندوستان دونوں ملکر ہندوستان کو انگریزی حکومت کے فیضان سے متمتع کرتے رہنے کے مصارف کا بوجھ اٹھائیں۔ اول الذکر اب تک اس بوجھ سے بالکل کنارہ کش رہا ہے۔ وہ آئندہ ہی اپنے فرض کو پورا کرے۔ اور کل خرچ کا نہ سہی صرف اضافہ کا ہی متحمل ہو۔ انصاف سے قطع نظر رحم کے اقتضا سے ہی وہ ایسا کرے۔ دونوں ایک ہی شفیق باپ کی اولاد ہیں ایک بھائی ایسا متمول ہے کہ سوا دو برس سے دو تین کروڑ روپیہ ہفتہ وار کا زاید خرچ محاربہ ٹرانسوال کا باآسانی اٹھا رہا ہے۔ اور اسے کچھ محسوس نہیں ہورہا۔ دوسرا ایسا مفلوک الحال ہے کہ اگر ایک سال بروقت بارش نہ ہو تو کروڑوں فاقہ کشی پر پہنچ جاتے ہیں۔ کیا متمول بھائی کی حیثیت کبھی گوارا کرسکتی ہے کہ وہ ایسے تنگدست بھائی پر ایک خطیر رقم کا مستقل بوجھ ڈالے۔

اسی طرح رعیت پرور حکومت کیلئے یہ مشورہ کیونکر ٹھنڈے دل سے سن سکتی ہے کہ ملک کی حفاظت کا بوجھ فقط بیکس زمینداروں پر ڈالا جائے۔ اور شہری آبادی یا تجارت وصنعت وحرفت کو بالکل مستثنیٰ رکھا جائے حالانکہ سلطنت گردی کی صورت میں جسکی منحوس وہیبت شکل خداوند کریم اپنے فضل سے کبھی نہ دکھلائے۔

اِنگلستان کو اگر ہندوستان کی نسبت بیس گُنا نقصان پہونچیگا۔ تو شہری آبادی کو دہقانی آبادی کی نسبت پچاس گنا۔ زمیندار کی کل کائینات اسکی زمین ہے۔ جسے نہ کوئی چور چُرا سکتا ہے نہ کوئی فاتح چھین سکتا ہے۔ ان کو بڑے سے بڑا نقصان یہ پہونچ سکتا ہے۔ کہ ایک دو سال فصل نہ ہوئی۔ یا ان کے جھونپڑے جلا دیئے گئے جن کو وہ چند دنوں کی ذاتی محنت سے پھر کھڑا کر سکتے ہیں۔ اس کے برعکس ایک لاکھ روپیے کا سونا ایک شخص بآسانی اٹھا بھجا سکتا ہے۔ اور لوٹ کھسوٹ کا بازار ہمیشہ شہروں میں ہی گرم ہوتا ہے۔ کارخانے منہدم ہو جاتے ہیں۔ تجارت کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔ اور متمول ترین اشخاص غریب ترین بنجاتے ہیں۔ پس جس نسبت سے کسی فریق کو ملک کی کم مصئونیت سے نقصان پہونچنے کا خطرہ ہو۔ اسی نسبت سے اسے حفاظت ملک کے مصارف کا ذمہ دار ہونا واجب ہے۔ لیکن عمل اسکے بالکل الٹ ہو رہا ہے۔ دہقان اگر ایک کنال زمین کا بھی مالک ہو جس سے اس کو ۲ر سال میں لگان ملتا ہو یا دو روپیہ کی فصل پیدا کرتا ہو۔ تو اسے اپنی خالص آمدنی کا نصف سرکار کو دینا پڑیگا۔ اس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں۔ کہ اس اندازہ سے کم آمدنی ہونے کی صورت میں اسپر کوئی محصول عائد نہیں ہوگا۔ غیر زمینداروں کے لئے ایسی حد مقرر ہیں۔ بلکہ اس حد سے زاید آمدنی رکھنے والوں کو بھی زمیندار کی نسبت بہت ہی قلیل شرح پر سرکاری آمدنی میں اپنا حصہ ڈالنا پڑتا ہے۔ پانسو سے کم سالانہ آمدنی ہونے کی صورت میں اُسپر کوئی ٹیکس نہیں۔ پانسو[1] یا اس سے زائد ہو۔ تو فقط دس روپیہ سال دینے پڑتے ہیں۔ حالانکہ زمیندار کو پانسو میں سے اڑہائی سو روپیہ خالص معاملہ اور ستر روپیہ کے قریب جبوب ادا کرنے پڑتے ہیں۔ غیر مساوی تقسیم بار محاصل کا جو خسارہ رہا وہ علیحدہ ہے۔ دس روپیہ سالانہ آمدنی والے سے ایک روپیہ لینا بھی اس کے حق میں بہت بڑی سختی ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ ایک سو روپیہ سالانہ آمدنی والے سے دس۔ یا ایک ہزار کی آمدنی والے سے ایک سو روپیہ لیا جائے۔ لیکن زمیندار کی بدقسمتی ہے یہی نہیں کہ خواہ زمین سے اس کی آمدنی ۲ر سالانہ ہو وہ محصول سے مستثنےٰ نہیں ہے۔ بلکہ یہ کہ پانسو آمدنی والیکو تو بچا سو ان حصہ دینا پڑتا ہے۔ دوسالے سے ہیں ہے

[1] سنہ ۱۹ء میں یہ رقم بھی معاف ہو گئی ہے۔ اب ایک ہزار روپیہ سالانہ سے زیادہ پر ٹیکس ہے۔ مولف

بھی نصف سے زیادہ۔

یہ اسی تشخیص محاصل کے غلط اصول کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان کی اندرونی و مالی حالت روئے زمین کے تمام دیگر ممالک کی نسبت نہایت ردی ہے سیاست مدن کے عالمون کا اتفاق رائے ہے۔ کہ رعایا کے اخلاق کا اچھا یا بُرا ہونا بہت کچھ طریقۂ تشخیص محاصل پر موقوف ہے۔ طریقۂ تشخیص محاصل میں دو نہایت ضروری اصول یہ مدنظر رکھنے چاہئیں۔ اول رعایا سے اسکی سالانہ آمد کا ممکن سے ممکن قلیل ترین حصہ لیا جائے۔ دوم۔ رعایا سے اسقدر لینا چاہیئے جو ممکن سے ممکن قلیل ترین اذیت یا تکلیف سے وصول ہو سکتا ہو۔ ان کو نظر انداز کرنے سے رعایا میں طرح طرح کے اوصاف ذمیمہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ وہ حیلہ جو۔ مکار۔ دروغگو بے غیرت۔ ڈھیٹھ۔ ظلم پسند۔ پست ہمت ترقی سے لاپرواہ۔ الغرض تمام اخلاقی برائیون کا مجموعہ بنجاتی ہے۔ ایسے اصول کے متعلق جس کا تعلق آبادی کے عظیم ترین حصہ سے رہا۔ قدیم سے واضعان قوانین ان اصولون کو نظر انداز کرتے چلے آئے۔ جس سے زمینداران یعنی ملک کی آبادی کے $\frac{4}{5}$ حصہ کی اخلاقی حالت ناگفتہ بہ ہوگئی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب $\frac{4}{5}$ کی ایسی حالت ہو تو باقی $\frac{1}{5}$ بھی ہمنشینی کے اثر سے کسطرح محفوظ رہ سکتے تھے۔ ہندوستانیون کو خداوند کریم نے کسی اور قوم کی نسبت ذہانت و شجاعت کم عطا نہیں کر رکھی۔ اس کے باوصف ہزارون برس سے وہ کیون کوئی کارنمایان نہیں دکھا سکے۔ اسی طریق تشخیص محاصل کی مہربانی سے جس نے ان کی تمام فطری قابلیتونکو معطل کر کے ان کی جگہ ذمائم کو دیدی۔ شایستہ خیال اور بنی نوع انسان کی سچی ہمدرد گورنمنٹ انگلشیہ اوایل عہد میں فتوحات کی بیحد مصروفیت اور نئے انتظام کی مشکلات کے باعث اگر اس طریقہ میں اصلاح نہیں کر سکی تو اس سے یہ ہرگز واجب نہیں آتا۔ کہ وہ آئندہ بھی اس اہم انسانی فرض کی تعمیل سے پہلو بچاتی رہے فتوحات کا زمانہ ختم ہو کر مدت سے اندرونی نظم ونسق کی اصلاح اور رعایا کی اخلاقی حالت کی درستی کیطرف متوجہ ہونے کا زمانہ شروع ہو چکا ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ صدیون کے قدیم طریق تشخیص محاصل کی یکبارگی کایا پلٹ نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس تبدیلی کی ابتدا باسانی شروع ہو سکتی ہے۔ ایسے مزید فوجی خرچ کو زمینٹ

کی بجائے دیگر وسایل سے حاصل کرنے سے اس اصلاح کی بنیاد قایم کیجا سکتی ہے۔ اور رحم۔ انصاف۔ رعیت پروری۔ سچی انسانی ہمدردی تمام اس امر کے مقتضی ہیں۔ کہ اس بنیاد کو اب بلا توقف مزید قایم کیا جائے۔ اگر مدبرانِ سلطنت انگلشیہ ایک ایسی اصلاح سے دل چرا گئے۔ جس پر ۳۰ کروڑ بندگانِ خدا کی اخلاقی و مادی فلاح منحصر ہو۔ اور تن آسانی کو مقدم رکھ کر پرانی ہی لکیر کے فقیر بنے رہے۔ تو بافسوس یہ کہنا پڑیگا۔ کہ انگریزی قوم کی مشہور اولوالعزمی میں بہت فرق پڑ گیا ہے۔ اس اصلاح کی وجہ سے مشیران حکومت کو موجودہ فنانشل پالیسی کو بہت کچھ بدلنا پڑیگا۔ لیکن شرط مردانگی یہی ہے۔ کہ ملک کی بہتری کے لئے اس تکلیف کو برداشت کیا جائے۔ اور ہندوستان کے مالی نظم ونسق کو بھی دنیا کے تمام مہذب ممالک کے طریق کے مشابہ کردیا جائے۔ مصر۔ ٹرکی۔ ایران۔ عراق اور چین اس بارہ میں بہت کچھ ہندوستان کے مشابہ رہے ہیں۔ اور دنیا دیکھ رہی ہے۔ کہ ان کی حالت بھی کیسی پست ہے۔ مصر اور ٹرکی نے کچھ عرصہ سے اس پالیسی کو کسی قدر بدل کر زمین کے علاوہ دیگر وسایل کو بھی مصارف ملک کا ذمہ وار سمجھنا شروع کر دیا ہے تبھی وقت سے اُن کی حالت نسبتاً بہت بہتر ہوتی جا رہی ہے۔ ایران و عراق کو نے اصلاح نہیں کی اور بدستور تباہ حال ہیں۔ ان کے علاوہ دنیا کے اور کسی ملک میں محض زمین کو ملک کی حفاظت یا سرکاری مصارف کے حصہ کثیر کے لئے ذمہ وار نہیں سمجھا گیا۔ اور وہاں کے باشندے جیسی روز افزوں ترقی کر رہے ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔ ناظرین کی آگاہی کے لئے ہر ملک کی کل سالانہ آمدنی۔ اور مالیہ زمین کی آمدنی ذیل میں درج کیجاتی ہے:-

---

برطانیہ کلان اور اس کے مقبوضات

نام ملک	کل آمدنی	محاصل اراضی سے آمدنی	[illegible]	آمدنی کے بڑے ذریعے
برطانیہ کلان و آئرلینڈ	نو کروڑ ۵۰ لاکھ پونڈ	۱۰ لاکھ ۵ ہزار پونڈ	۱/۹۰	کسٹم یعنے بحری محصول درآمد برآمد محاصل آبکاری انکم ٹیکس۔ اشٹام وغیرہ۔
مالٹا	تین لاکھ پونڈ	۱۲ ہزار پونڈ	۱/۲۴	کسٹم
بورنیو	سوا تین لاکھ ڈالر	بہت خفیف	-	افیون۔ آبکاری۔ اشٹام۔ برکاری۔ اراضیات کی قیمت محاصل ودیگر
ہندوستان	۹۷ کروڑ روپیہ	۲۳ کروڑ روپیہ (علاوہ [illegible])	۱/۴	معاملہ اراضی۔ ریل۔ آبپاشی۔ نمک۔ افیون۔ اشٹام۔ آبکاری۔ کسٹم
سٹریٹس سٹلمنٹ	۴۰ لاکھ ڈالر	۳ لاکھ ۵۰ ہزار ڈالر	۱/۱۲	اشٹام۔ لائسنس۔ معاملہ زمین
کیپ کولونی	۶۵ لاکھ پونڈ	ساڑھے تین لاکھ پونڈ	۱/۱۶	مختلف محاصل و ریل وغیرہ
ماریشس	۸۵ لاکھ روپیہ	بہت خفیف	-	کسٹم۔ لائسنس۔ ریلوے
نٹال	۱۰ لاکھ پونڈ	بہت ہی خفیف	-	ریل۔ کسٹم۔ آبکاری
مغربی افریقہ کی کل انگریزی نوآبادیاں	پونے ۵ لاکھ پونڈ	بہت ہی خفیف	-	کسٹم حصہ کل آمدنی کا
برموڈا	۴۳ ہزار پونڈ	بہت ہی خفیف	-	کسٹم حصہ کل آمدنی کا
کینیڈا	پونے ۵ کروڑ ڈالر	۲ لاکھ ۴۲ ہزار ڈالر	۱/۲۰۰	کسٹم۔ آبکاری وغیرہ
برٹش گائنا	پونے ۶ لاکھ پونڈ	بہت ہی خفیف	-	کسٹم۔ لائسنس۔ آبکاری
جزائر فجی	۷۲ ہزار پونڈ	۱۸ ہزار پونڈ	۱/۴	کسٹم۔ لائسنس وغیرہ
نیو ساؤتھ ویلز	۹۳ لاکھ پونڈ	۹ لاکھ پونڈ	۱/۱۱	کسٹم۔ قیمت اراضی جو ہر سال فروخت کیجاتی ہے تخمیناً ۱۲ لاکھ پونڈ
نیوزیلینڈ	۴۴ لاکھ پونڈ	۴ لاکھ پونڈ	۱/۱۱	کسٹم ریل وغیرہ
کوئنسلینڈ آسٹریلیا	۳۴ لاکھ پونڈ	۳ لاکھ ۴۹ ہزار پونڈ	۱/۱۰	کسٹم۔ ریل۔ اشٹام وغیرہ
تسمانیہ	۷ لاکھ پونڈ	۵۰ ہزار پونڈ	۱/۱۴	کسٹم۔ ریل۔ فروخت اراضی
وکٹوریا آسٹریلیا	۶۸ لاکھ پونڈ	سوا لاکھ پونڈ	۱/۵۲	کسٹم۔ آبکاری۔ ریل وغیرہ
مغربی آسٹریلیا	۹ لاکھ پونڈ	برائے نام	-	کسٹم۔ ریل فروخت اراضی
سیلون	ایک کروڑ ۹ لاکھ روپیہ	۶۰ ہزار روپیہ	۱/۳۲۵	کسٹم۔ آبکاری نمک۔ ریل

دیگر ممالک

نام ملک	کل آمدنی	معاملہ اراضی	نسبت	دیگر بڑے وسائل آمدنی کے
آرجنٹاین (امریکہ)	٨ کروڑ ڈالر	٢٥ لاکھ ڈالر	١/٣٢	کسٹم۔ اسٹامپ وغیرہ
آسٹریا خاص	٤٦ کروڑ فلورن	٣ کروڑ ٦٠ لاکھ فلورن	١/١٢	کسٹم۔ ہوس ٹیکس، انکم ٹیکس، ریل، ڈاک وغیرہ
بلجیم	٣٦ کروڑ فرانک	تخمیناً ڈیڑھ کروڑ فرانک	١/٢٤	ریل، کسٹم۔ انکم ٹیکس وغیرہ
برازیل (زراعتی ملک)	٣٢ کروڑ ملری	کچھ نہیں	—	کسٹم ١١/١٥ ریل ١/١٥ متفرق
چین	١٠ کروڑ ٹیل (ٹیل = ٣ عا)	٢ کروڑ ٥٠ لاکھ ٹیل	١/٤	کسٹم۔ نمک وغیرہ
فرانس	٣ ارب ٥٥ کروڑ فرانک	١٢ کروڑ فرانک	١/٢٩	کسٹم۔ رجسٹری وغیرہ
بویریا (جرمنی)	٣٢ کروڑ	ایک کروڑ	١/٣٢	کسٹم۔ ریل، انکم ٹیکس۔ ہوس ٹیکس وغیرہ
پرشیا (جرمنی)	ایک ارب ٩٠ کروڑ مارک	٤ کروڑ مارک	١/٤٨	انکم ٹیکس۔ ریل۔ نمک و دیگر محاصل
اٹلی	ایک ارب ٧ کروڑ لیرہ	١٠ کروڑ ٤٦ لاکھ لیرہ	١/١٢	انکم ٹیکس۔ کسٹم۔ تمباکو۔ ریل وغیرہ
جاپان	٩ کروڑ ین	٣ کروڑ ٤٨ لاکھ ین	٢/٥	— — —
ہالینڈ	١٣ کروڑ گلڈر	ایک کروڑ ٣٠ لاکھ گلڈر	١/١١	آبکاری۔ کسٹم
جاوا وغیرہ	١٣ کروڑ گلڈر	ایک کروڑ ٨٠ لاکھ گلڈر	١/٧	افیون و نمک۔ قہوہ
ایران	١٨ لاکھ پونڈ	ٹھیک نسبت معلوم نہیں مگر ہندوستانی نسبت سے کم نہیں	—	— — — —
روس	ایک ارب ٥ کروڑ روبل	٢ کروڑ ٥٠ لاکھ روبل (معہ آمدنی جنگلات)	١/٥٠	بالواسطہ محاصل
سیام	٢٠ لاکھ پونڈ	ساڑھے تین لاکھ پونڈ	١/٦	— — — —
ٹرکی	ایک کروڑ ٩٠ لاکھ پونڈ	معہ محصول مویشی ٤٠ لاکھ پونڈ	١/٢	— — —
مصر	ایک کروڑ پونڈ	٤٨ لاکھ پونڈ	١/٢	— — — —

اس جدول سے ناظرین کو معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ اگر جاپان کو مستثنیٰ رکھا جائے تو سوائے ان ممالک کے جو ترقی کی گھوڑ دوڑ میں سب سے پیچھے ہیں۔ اور کسی ملک میں زمین کی آمدنی سلطنت کی کل آمدنی کے مقابل کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ جاپان نے چند گذشتہ برسوں میں بیشک بہت کچھ ترقی کر لی ہے۔ لیکن دہقانی آبادی پر ہی محاصل کا زیادہ بوجھ ڈالنے کی لازمی خرابیوں سے وہ بھی محفوظ نہیں رہا۔ باشندان

کے عام اخلاق کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ اور راستبازی و دیانتداری کی بھی بہت ابتر حالت تھی۔ جو بدستور اسیطرح رہتی۔ اگر ترقی کے اس نئے دور میں جاپان کے دوراندیش مدبر جدید مصارف کے لئے نئے وسائل نہ اختیار کر لیتے۔ یہ غلطی تو ہوئی۔ کہ معاملہ زمین کو ہلکا نہ کیا۔ مگر اس غلطی سے باحتیاط تمام اپنا پہلو بچا گئے۔ جس میں بعض ناعاقبت اندیش اہل الرائے ہماری گورنمنٹ کو ڈالنے کی ہمیشہ کوشش کرتے رہتے ہیں اور جو یہ ہے۔ کہ جب کبھی مالی مشکلات پیش آئیں جھٹ زمیندار کو آگے کر دیا۔ کہ جسقدر چاہو اور بوجھ لاد دو۔

انگلستان میں انکم ٹیکس فی پونڈ علی العموم ایک شلنگ لگایا جاتا ہے۔ اور چونکہ وہ صرف متمولوں کو دینا پڑتا ہے۔ یہ ٹیکس اُن پر کوئی ناگوار بوجھ نہیں ہو سکتا اسی طرح کسٹم کی شرح اگر بڑھی ہوئی ہو تو بغیر اس کے کہ عام آبادی کچھ بوجھ محسوس کرے معقول آمدنی حاصل ہو جاتی ہے۔ کسٹم سے اس وقت خزانہ ہندوستان کو پانچ کروڑ روپیہ سالانہ کی آمدنی ہے۔ گورنمنٹ اسے اگر یکبارگی دگنا کر دے تو آبادی کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہو سکتی۔ برآمد کے لئے کوئی محصول مقرر نہیں۔ سال بھر میں بالا وسط ارب سوا ارب کی اجناس یہاں سے باہر جاتی ہیں۔ انپر اگر چار فیصدی محصول لگایا جائے۔ تو چار پانچ کروڑ روپیہ سالانہ کی آمدنی ہو سکتی ہے۔ ان اجناس کو خریدنے والوں پر اس محصول کا اس سے زیادہ اثر نہیں پڑیگا۔ کہ اگر اس وقت انگلستان والوں کو روپیہ کے دس سیر گیہوں یا دو سیر روئی مل رہی ہے تو آیندہ ۱۷ آنہ میں اسقدر لا کرینگے۔ اسیطرح محاصل برآمدات وغیرہ کی شرح اگر بڑھا دیجائے تو اسکا بڑے سے بڑا یہ نتیجہ ہوگا کہ جو کپڑا اب چار آنہ گز ملتا ہے آیندہ سوا چار آنہ گز ملا کرے گا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جو چار آنہ خرچ کر سکتا ہے وہ سوا چار آنہ بھی خرچ کر سکتا ہے۔ برعکس اسکے زمیندار جنکا حصہ کثیر پہلے ہی سے فاقہ مست ہے ایک روپیہ کی جگہ سوا روپیہ کر دینے سے بھی نیمجان ہو جائیں گے۔ محصول کسٹم بھی بیشک پہلے ایک ہی شخص کو دینا پڑتا ہے مگر یہ صاف ظاہر ہے کہ جو شخص ہزاروں لاکھوں کا اسباب منگوانے کی استطاعت رکھتے ہیں۔ وہ اس محصول کو بھی بلا تکلف ادا کر سکتے ہیں۔ ان کے لئے درحقیقت

یہ کوئی محصول نہیں ہوتا۔ بلکہ مال کی قیمت کا ایک جزو ہوتا ہے۔ پس گورنمنٹ ہند کو اگر فی الحقیقت زاید روپیہ کی احتیاج ہو۔ تو اُسے واجب ہے کہ اپنی مسلمہ رعیت پروری اور دانش پژوہی سے کام لیکر بیکس و بےزبان فرقہ زمینداران کی بجائے ان وسائل پیداوار پر نظرِ دوڑائے جن سے کسی فریق کو زیر بار کیے بغیر بآسانی تمام کروڑوں روپیہ کی مزید آمدنی حاصل ہوسکتی ہے۔

ہم اسے مانتے ہیں کہ ہندوستان میں بعض زمینداری قطعات بھی بآسانی مزید معاملہ کے متحمل ہوسکتے ہیں۔ لیکن وہ قطعات ایسے لوگوں کی ملکیت ہیں کہ ان پر گورنمنٹ شاید ہی کچھ اضافہ کرنا پسند کرے۔ یہ قطعات کانگڑہ۔ آسام اور نیلگری کے باغات چاء ہیں۔ جن پر شرح نسبتاً بہت ہی ہلکا ہے۔ مگر کون سٹلمنٹ افسر ایسا دلیر ہوسکتا ہے۔ جو اپنے یورپین بھائیوں کو یہ کہہ سکے کہ تم معاملہ کم دے رہے ہو۔ اسی طرح بنگال کے زمیندار بیشک دوسرے علاقوں کے زمینداروں کی نسبت بہت ہی فائدہ میں ہیں۔ اور ان پر فرض ہے کہ اپنی لاکھوں روپیہ کی آمدنیوں میں سے ملک کی بہتری کے لئے کچھ خرچ کریں۔ یہ لوگ زمیندار بھی برائے نام ہی ہیں۔ زمینداری سے ان کو صرف یہی تعلق ہے کہ کاشتکاروں سے ان کے کارندے معاملہ وصول کرتے رہیں۔ اور یہ اس آمدنی کو شہروں میں بڑے بڑے عالیشان محلات میں رنگ رلیاں منانے میں اڑاتے رہیں۔ ایسے لوگوں کو شہری آبادی میں داخل سمجھنا چاہیئے۔ اور انکم ٹیکس کی صورت میں ان سے اس روپیہ کا کچھ حصہ حاصل کرنا چاہیئے۔ جو وہ فضولیات میں برباد کر رہے ہیں۔ اس کے لئے یہ آسان تدبیر ہے کہ پانچ یا دس ہزار روپیہ سالانہ کی آمدنی کا ایک معیار قایم کرکے اس سے زیادہ آمدنی رکھنے والے زمیندار کی زاید آمدنی پر بھی انکم ٹیکس لگا دیا جائے جسکی شرح موجودہ شرح سے کم از کم دگنی ہو۔ الغرض آمدنی بڑھانے کے بیشمار ذریعے موجود ہیں۔ جو واجب الرحم دہقانوں کو اور زیادہ مفلوک الحال اور زیر بار بنانے کی احتیاج سے گورنمنٹ کو مستغنے کر رہے ہیں۔

یہی ایک فرقہ ہے جو ملک اور حکومت کو دے تو سب کچھ رہا ہے مگر اس کے

مقابلہ میں حاصل عملاً کچھ نہیں کر رہا۔ باقی فریق ہیں جو دے کچھ بھی نہیں رہے اور لے سب کچھ رہے ہیں۔ پس نہ صرف انصاف و رحم بلکہ خود ملک کی بہتری اس امر کی مقتضی ہے کہ گورنمنٹ ضروریات سلطنت کا کچھ بوجھ دیگر وسائل آمدنی پر ڈالکر نہ بھی اسی روپیہ میں سے جو وہ زمینداروں سے لے رہی ہے کچھ روپیہ ان کو نور علم سے بہرہ ور۔ زمانہ کی زرعی ترقیات و اصلاحات سے باخبر اپنی زمینوں سے پورا پورا تمتع حاصل کرنے پر قادر اور ان کی خشک اراضیات کو سیراب اور سیلابی زمینوں کو معتدل بنانے پر بالاستقلال خرچ کرتی رہے یہ نہیں کہ حفاظت تو ہو کل آبادی کی۔ اور مالیہ بھریں زمیندار۔ سڑکوں سے فایدہ اٹھائیں تاجر۔ سڑکوں کا ٹیکس داخل کریں زمیندار۔ تعلیم سے مستفیض ہوں شہری۔ اور تعلیمی محصول دیں کاشتکار۔

انگریزی قوم کا اس وقت سے جبکہ اس نے اس سرزمین پر قدم رکھا یہ دعوے چلا آتا ہے کہ وہ ہندوستانیوں کو دنیا کی ممتاز اور ترقی یافتہ قوموں کا ہمپلہ اور ہندوستان کو خوشحال اور فارغ البال بنانے کیلئے آئی ہے۔ اس مقصد میں اسے اسیطرح کامیابی ہوسکتی ہے کہ ملک کی آبادی کے عظیم ترین حصہ دہقانی آبادی کو صاحب علم و ہنر اور آسودہ حال بنانے کی کوشش کرے اور اسے آسودگی اسیطرح حاصل ہوسکتی ہے کہ محاصل کا بوجھ اسپر سے ہلکا کرکے ان کی باچھ اسطرح سے کیجائے کہ کل آبادی پر ہر شخص کی استطاعت کے مطابق اسکا بوجھ پڑے۔ اور ملک کی آمدنی میں سے اسکی بہتری کے لئے بھی ویسی ہی فراخدلی سے کام لیا جائے جیسا کہ دیگر ملکی ضروریات کے لئے روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔ عملاً اس کے عین الٹ کرتے رہ کر محض زبانی ہمدردی سے صاف عیاں ہے کہ انکی حالت دن بدن اور زیادہ متنزل ہوتی چلی جائیگی حتیٰ کہ انکی بیماری کی کوئی دوا نہ رہ جائیگی۔ قحط کے وقت انکی جانوں کو بچانے کی بجائے کوشش یہ ہونی چاہیئے۔ کہ ملک میں قحط کے خطرات ہی کم ہو جائیں۔ اور دہقانوں کو ایسی حالت میں کر دیا جائے کہ اگر تمام انسانی مدابیر کے باوصف کبھی نہ کبھی قحط نازل ہی ہو جائے تو وہ اس کا بآسانی مقابلہ کر سکیں۔ یہ نہیں کہ پہلے ہی تہیہ

بے خانمان ہوکر دربدر خاک بسر سڑکوں اور جنگلوں میں درندوں اور پرندوں کا ہمسر نہیں۔ لارڈ کرزن کی سچی غمگساری۔ خالص ہمدردی اور بے نظیر تدبر سے بفضلہ اس تمنا کے پورا ہونے کی کامل اُمید ہے۔

مالگذاری کی پالیسی اور نواب کرزن کا فیصلہ

(مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۰۲ء)

[منقول از وطن مورخہ ۲۴ و ۳۱ جنوری ۱۹۰۲ء]

جس فیصلہ کے لئے نواب کرزن کئی مہینوں سے وعدہ وعید کر رہے تھے وہ آخر صادر ہوگیا ہے جس پر ایک مشہور شعر:—

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا ٭ جو چیرا تو اک قطرۂ خون نہ نکلا

اگر "نہ" کو اُڑا دیا جائے تو پھر وہ فیصلہ مذکور کے کسی قدر حسب حال ہو سکتا ہے اس فیصلہ نے ثابت کر دیا ہے۔ کہ ہماری قسمتوں کے مالکوں کے دل خواہ کیسے رحیم نیتیں نہایت نیک۔ اور ارادے رعیت خاصکر زمینداروں کی فلاح و بہبود کی تمنا سے معمور ہوں۔ لیکن ہمارے درد کی دوا محال بلکہ ناممکن ہے کسی بیماری کے درست معالجہ کے لئے تشخیص کا صحیح ہونا لابدی ہے۔ اور تشخیص تب ہی صحیح ہو سکتی ہے۔ جبکہ حکیم تجربہ کار اور لائق۔ اور ہمدرد ہونیکے ساتھ ہی مریض کی طبیعت سے بخوبی واقف ہو۔ یہاں پہلی تو تمام صفتیں موجود ہیں۔ لیکن طبیعت سے واقفیت معدوم ہے۔ اب علاج ہو سکے تو کیسے۔ خواہ تشخیصی رپورٹوں اور فیصلوں میں سینکڑوں صفحے سیاہ کیے جائیں اور نت نئے نسخے تجویز کئے جائیں۔ لیکن اس معاملہ میں صرف ایک یہی کٹھن مشکل حائل ہے۔ علاج کے دو بڑے عنصر دوا اور پرہیز ہیں۔ پرہیزی تجویزیں تو جتنی چاہو۔ قانون اراضی و قانون شفع وغیرہ کی صورت میں موجود ہیں۔ رہی دوا وہ دو قسم کی ہے۔ قوت بڑھانے والی یا مادہ کو خارج کرنے اور طبیعت کو کمزور بنانے والی۔ آخری قسم کی ادویات سے بھی دریغ نہیں۔ معاملہ اراضی۔ جنوب دیہی۔ اشتمال۔ رجسٹری۔ محصول نمک۔ کورٹ فیس۔ چوکیدارہ۔ پٹوار خانے

مصارف پیمائش وبندوبست - آبیانہ - خوش حیثیتی - رسد - مویشی - سڑکونکی تیاری
اور تعزیری پولیس کی صورت میں بیشمار مسہل اور مصفیات تجویز ہو چکے ہیں -
رہے مقویات - وہ النادر کالمعدوم - نہری پانی بیشک اکسیر حیات ہے - مگر قیمت
ایسی گران تجویز کیجاتی ہے جسے سنکر بیچارہ دہقان نیم جان ہو جاتا - اتنے مسہل
اور مقوی ایک - وہ بھی ایسا نایاب اور گران - زمیندار صحت یاب ہو تو کیسے - یہ
غلط علاج بھی اسی غلط تشخیص اور عدم واقفیت کا نتیجہ ہیں - اور یہی باعث ہیں
کہ لارڈ کرزن کو ایسا فیصلہ صادر کرنا پڑا - جس سے زمینداروں کی امیدیں
پھر ملیامیٹ ہو گئی ہیں - مالگذاری کی بحث میں جب سول نے بار بار قدیم رواج
کو بطور سند پیش کیا - تو وطن نے جواب دیا تھا کہ اوّل تو رواج قدیم صحیح نہیں
بتایا گیا - پانچواں حصہ کسی عہد میں نہیں لیا گیا - لیکن خواہ یہ صحیح ہو یا غلط ایک
شائستہ و مہذب قوم کے آرگن کو بتکرار ناپسندیدہ زمانہ جاہلیت کی نیم شائستہ یا
غیر مہذب حکومتوں کے طریق عمل - کو بطور سند پیش کرنے سے شرم کھانی چاہئے
لارڈ کرزن غنیمت ہے اپنے فیصلہ میں یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ "طریق مالگذاری
ہمیں دیسی حکومت کے نہایت ہی تنزل اور ابتر زمانہ سے ورثہ میں ملا ہے" اس
کے بعد وہ خود ہی غور فرمائیں کہ کیا انگریزی قوم یا لارڈ کرزن کی شان سے یہ
نہایت ہی بعید نہیں کہ وہ ایک ایسے زمانے کی بیسویں صدی میں بھی تقلید کرتے
رہیں - آپ فرماتے ہیں کہ معاملہ مالکان زمین سے کہیں انکی آمدنی کے نصف
سے زیادہ نہیں لیا جاتا اور کاشتکار سے انکی پیداوار کے پانچویں حصہ سے - ہم
مان لیتے ہیں کہ یہ بیان بالکل درست ہے لیکن سوال تو یہ ہے کہ جب سوائے
ایک دو بد قسمت اور ناشائستہ ممالک کے باقی تمام دنیا کے مالکان اراضی بالاوسط
اپنی آمدنی کے پچاسویں سے زیادہ معاملہ ادا نہ کرتے ہوں - اور اسی ہندوستان
میں لاکھوں روپیہ کی آمدنی رکھنے والے - اور چند گھنٹے ہلکا دماغی یا قلمی یا
تجارتی کام کرنے والے تو فی روپیہ ۴ پائی یعنے آمدنی کا اڑتالیسواں حصہ دیں -
تو کیا یہ زمیندار ہی ایسے بد نصیب ہیں کہ ساگ پات کھا کر دن رات خون
پسینہ ایک کر دینے والی مشقت کرتے رہنے کے بعد وہ جو کچھ کمائیں - اس کا

نصف اُن سے لے لیا جائے۔

یہ فیصلہ انگریزی گورنمنٹ کے چودہ صفحوں میں ختم ہوا ہے متعلقات اور لوکل گورنمنٹوں کی رپورٹیں علیحدہ رہیں۔ یہ طوالت کسی ہفتہ وار اردو اخبار کو اس کا بجز فنہا ترجمہ کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ اگر کوئی اخبار اسکا بیڑہ اٹھائے تو سارے کالم صرف اس ترجمہ پر وقف کر دینے کی صورت میں بھی وہ اسے کئی مہینوں سے پہلے ختم نہیں کر سکتا۔ ادھر یہ مشکل ہے کہ جن لوگوں سے درحقیقت یہ فیصلہ متعلق ہے۔ ان میں فی لاکھ بھی بمشکل ایک ایسا شخص ملیگا۔ جو اسکو انگریزی میں پڑھ سکتا ہو۔ برعکس اسکے اگر اس کا ترجمہ دیسی(۱) زبانوں میں بھی شائع کر دیا جائے تو تقریباً کل دیہاتی آبادی اسکے مضمون سے کم و بیش واقف ہو سکتی ہے۔ لیکن اس امر کی بہت تھوڑی بلکہ نہ ہونے کے برابر امید کیجا سکتی ہے۔ کہ جو مدبر ایک خیالی یا واقعی اندیشہ کے انسداد کے لئے کسی سرحدی مہم پر کروڑوں روپیہ بیدریغ خرچ کر دیتے ہیں۔ وہ ایسے مسئلہ کے متعلق جس سے کل دیہاتی اور نیز شہری آبادی کے ایک معقول حصہ کو کمال تعلق ہے کسی ایسی تحریر کو نہیں جس میں گورنمنٹ پر نکتہ چینی کیگئی ہو بلکہ جس میں ان مطالبات اور گورنمنٹ کی پالیسی کے حق بجانب اور مبنی بر انصاف ہونے کا اظہار کیا گیا ہو عام فہم بنانے اور عام طور پر شائع و مشتہر کرنے کے لئے چند ہزار روپیہ کی خفیف رقم خرچ کرنا منظور کریں۔ یہ ہے اخبارات انکی معذوری صاف ظاہر ہے کوئی ایسا اخبار ملک بھر میں موجود نہیں جو محض زمینداری معاملات سے سروکار رکھتا ہو۔ دوسرے اخبارات اگر اس فیصلے کے ترجمہ کا سلسلہ شروع کر دیں تو اس کے ختم ہونے کی توقع طول امل سے کم ثابت نہ ہوگی۔ اور اگر کچھ عرصہ کے لئے کل صفحے اسکی نذر کریں۔ تو نوے فیصدی خریدار جنکو زمینداری سے کچھ تعلق نہیں۔ دوسرے ہی ہفتہ اخبار سے بیزار ہو جائیں۔ جب گورنمنٹ زمیندار پبلک کو ایک اہم معاملہ کے متعلق معمولی اطلاع بہم پہونچانے سے لاپرواہ ہو۔ خود زمیندار اپنی بہتری سے بے خبر و غافل ہوں۔ اور اخبارات کی معذوری یوں ظاہر ہو۔ تو زمینداروں کی بدقسمتی میں کیا شبہ ہو سکتا ہے انکی مصیبتوں کا

(۱) خوشی کا مقام ہے کہ ہماری یہ درخواست منظور ہو گئی اور اس فیصلہ کا ترجمہ دیسی زبانوں میں شائع کر دیا گیا ہے۔ مؤلف

علاج تب ہی ہو سکیگا جبکہ وہ خود اپنی تکالیف کو ظاہر کر سکنے کی قابلیت پیدا کرینگے۔ مسٹر رومیش چندر دت یا مسٹر واچا خواہ ان کے کیسے ہمدرد ہوں جسطرح گورنمنٹ کے یورپین اور اکثر غیر یورپین عمال زمینداری معاملات زمینداروں کی مشکلات اور ان مشکلات کے صحیح تدارک و انسداد کی مناسب تدابیر سے ناواقف ہیں۔ اسیطرح یہ ہمدرد بھی اصلی حالات سے چنداں آگاہی نہیں رکھتے۔ دونوں فریق اپنا اپنا راگ الاپتے رہتے ہیں۔ یہ کوئی نہیں کرتا کہ زمیندار میں اگر یہ قابلیت یا سکت نہیں رہ گئی کہ وہ خود سامنے آکر اپنے درد کا اظہار اور اسکے انسداد کی تدابیر سوچھائے۔ تو آؤ ہم میں سے ہی کوئی اس سے پوچھنے کی تکلیف گوارا کر کے حقیقت الحال سے مطلع ہو۔ زمیندار گو کیسا ہی خستہ حال۔ خاموشی پسند۔ راضی برضا اور حالات زمانہ سے بیخبر کیوں نہ ہو۔ لیکن ابھی تک اسکی حالت ایسی مسخ نہیں ہوئی۔ کہ اپنی ہی اصلاح کے متعلق معقول مشورہ نہ دیسکے۔ یا کم از کم اپنی مشکلات کو بطریق مناسب بیان نہ کر سکے۔ لارڈ کرزن کا تو مرتبہ بہت ہی اعلیٰ ہے۔ اور مسٹر رومیش چندر دت بھی اتنا عرصہ کمشنر رہ چکے ہیں۔ کہ ان کو اپنی ملازمت کے ابتدائی زمانہ کے حالات و مشاہدات بالکل فراموش ہو گئے ہونگے۔ ایک معمولی اسسٹنٹ کمشنر حتیٰ کہ نائب تحصیلدار بھی جنکو سفر و حضر میں ہر طرح کی آسائشیں حاصل ہوتی ہیں زمینداروں کی حالت کو کبھی درست طور پر نہیں سمجھ سکتا نہ زراعت کی آمدنی و خرچ کا کبھی وہ درست اندازہ لگا سکتا ہے۔ ہر ایک گروہ لکیر کا فقیر بنا ہوا۔ اسی ڈگر پر جو ایک دفعہ قایم ہو گئی ہے دوڑا چلا جاتا ہے۔ اور سنی سنائی باتوں یا قیاسی حسابوں اور مفروضات پر عالیشان خیالی عمارتیں قلمی مباحثات کی قلیئم کر رہا ہے۔

صیغہ نہر کے ملازموں کو دن رات زمینداروں سے سابقہ رہتا ہے۔ لیکن کشتکاری سے چونکہ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ زرعی معاملات سے ان کی آگاہی سطحی واقفیت سے کبھی متجاوز نہیں ہوتی۔ بطور نظیر ایک مثال کافی ہے۔ اس صیغہ کی طرف سے ہر حلقہ میں پیداوار کا اندازہ کرنیکے لیئے ہر فصل کا کچھ رقبہ محفوظ کر دیا جاتا ہے فصل تین درجوں میں منقسم کیجاتی ہے۔ درجہ اول۔ دوم۔ سوم اور ہر ایک

رقبہ مساوی رکھا جاتا ہے۔

ان تینوں ٹکڑوں کی فصل جدا جدا دروکیجاتی ہے۔ اور اس سے غلہ نکالا جاتا ہے۔ پھر تینوں کی پیداوار ملا کر تین پر تقسیم کرکے حاصل تقسیم کو فی بیگھہ یا فی ایکڑ یا فی کنال کی اوسط پیداوار سمجھ لیا جاتا ہے۔ مگر یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ یہ یقین کسطرح حاصل ہوگیا ہے۔ کہ اول یا دوم وسوم درجہ کے رقبے ملک کی تمام فصل گندم یا فصل نخود وغیرہ کا ٹھیک تیسرا تیسرا حصہ ہی ہوتے ہیں۔ اس مشاہدہ سے کوئی کام نہیں لیتا۔ کہ اعلیٰ درجہ کے کھیت کل رقبہ زیر کاشت کا شاید ہی ساتواں آٹھواں حصہ ہوتے ہیں۔ بیس ایکڑ گندم کی فصل میں عمدہ ترین حصہ دو تین ایکڑ سے زیادہ نہیں ہوتا چار پانچ متوسط درجہ کے ہوتے ہیں۔ اور باقی پر فصل معمولی حالت کی ہوتی ہے ایک دفعہ ایک ڈپٹی کلکٹر نے جو خود بھی زمیندار تھا۔ آخر الذکر درست اصول پر پیداوار کا نقشہ دیا۔ تو ایک اعلیٰ انجینیر بہت جھلائے۔ جب وجہ سنی تو دم بخود ہوگئے لیکن غالباً اس خوف سے کہ اگر پہلوں کے قاعدہ کو توڑ کر اس درست طریقہ کے مطابق اوسط پیداوار کو ۱۵ کی بجائے ۹ من فی ایکڑ دکھایا تو ابھی ایک شور برپا ہوجائیگا۔ اور سکرٹری ایٹ والے صاحب کو پاگل یا کم از کم ان کے دماغ کو معالجہ واصلاح طلب قرار دیدینگے۔ مروجہ طریقہ کو قایم رہنے دیا۔

بندوبستوں میں بھی اسی غلط قاعدہ کے مطابق پیداوار کا اندازہ کیا جاتا ہے اور پھر اس غلط اندازہ کی بنا پر جو اصلیت سے تقریباً دگنا ہوتا ہے جمع تشخیص کی جاتی ہے۔ کیا لارڈ کرزن یا کوئی لوکل گورنمنٹ یا افسر نہر یا مہتمم بندوبست اس بیان کی تردید کرسکتا ہے۔ یا یہ کہہ سکتا ہے کہ مروجہ طریق استخراج اوسط میں دگنوں کا پھیر نہیں پڑ رہا۔ قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔ اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ہمارے بلا استثنا کل اولیا الامور خواہ اسسٹنٹی سے چلکر لفٹنٹ گورنری یا گورنر جنرلی تک پہونچے ہوں اور خواہ چیف کمشنری وکمشنری یا چیف سکرٹری شپ تک اور خواہ انہوں نے ضوابط مال کی کتنی کتنی ضخیم جلدیں مرتب کی ہوں زمینداری معاملات سے در اصل کیسے بیخبر رہتے ہیں۔

کسی زمینداری معاملات میں مبصر کا دعوی رہنے

والے یوروپین سے اگر سوال کرو تو وہ بلا تامل جواب دیگا کہ چاہی کاشتکار بارانی کاشتکار کی نسبت بہت فایدہ میں رہتا ہے۔ اور گورنمنٹ کو ضرور آبیانہ لینا چاہیئے اِس میں وہ معذور ہے۔ کیونکہ وہ محض سطحی نظر سے دیکھتا ہے وہ زیادہ سے زیادہ تیاری چاہ اور بیلوں کی خوراک کو حساب میں داخل کریگا یا کمبون کے خرچ کو۔ لیکن یہ نہیں سوچیگا۔ کہ بیل بالاوسط کتنے برس کام دیتے ہیں۔ پانی نکالنے کے ذرائع و لوازمات ماہل وغیرہ پر ہر سال میں کیا خرچ آتا ہے۔ اور پھر غضب یہ ہے کہ جب اُسے پورا حساب بتانے کی کوشش کرو تو وہ جھٹ کہدیگا۔ اب حاضری یا کچہری کا وقت آگیا ہے۔ اور اسطرح وہ اپنی بیعلمی کو علم سے بدلنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ ان بیانات کی تصدیق روزمرہ ہو رہی ہے۔ یہ اسی مجادل فریقین کی بیعلمی اور زمینداروں کی خاموشی یا ان کے متفرق اظہارات کی بے شنوائی کا نتیجہ ہے۔ کہ دو دو سو صفحون کی رپورٹیں بھی حقیقت الحال پر کچھ روشنی نہیں ڈال سکتیں۔ اور فریقین کے دلائل کو جب کوئی باخبر زمیندار پڑھتا ہے۔ تو اپنے ماتھے کو پیٹ لیتا ہے اور بے اختیار پکار اُٹھتا ہے کہ اگر حکیمون کا مبلغ علم یہی ہے تو زمینداروں کی حالت سنور چکی ؎

گر ہمیں مکتب است و ہمیں ملا
کار طفلان تمام خواہد شد

اِسکی تصدیق لارڈ کرزن کے فیصلہ کے اِس خلاصہ سے ہو سکیگی۔ آپ فرماتے ہیں:۔ "(۱) دوامی بندوبست قحط کی سختی و نتائج کے لئے کوئی روک نہیں (۲) سرکار مالکانِ اراضی سے اُنکی آمدنی کے نصف سے زیادہ کسی جگہ نہیں لیتی۔ بلکہ بعض جگہ اِس شرح سے کم لیتی ہے اور کہ وہ اس بارہ میں روز افزون نرمی سے کام لے رہی ہے۔ (۳) سرکار مالکون کی دست برد سے کاشتکارونکو محفوظ رکھنے کی کارروائی سے کبھی نہیں جھجکی (۴) کاشتکار قابضان اراضی سے سرکار اگر کل پیداوار کے پانچوان حصہ لے تو ان پر بڑی سختی ہوگی۔ (۵) بندوبستوں کی میعادوں لمبی رکھنے کا قاعدہ دن بدن زیادہ وسیع کیا جارہا ہے بجز خاص حالات کے (۶) جدید بندوبستوں کے طریق عمل کو

سادہ و کم خرچ بنانا اور رعایا کو ماتحت عملہ کی فوج ور فوج کی غارتگریون سے محفوظ رکھنا گورنمنٹ اپنا فرض سمجھتی ہے۔ (۷) ترقی حیثیت اراضی کیلیئے زمیندار کو معافی دینے کا اصول گورنمنٹ کو پسند ہے (۸) یہ قاعدہ منسوخ کر دیا گیا ہے کہ جدید بندوبست کی تشخیص میں زمیندار کے متوقعہ مستقبلہ فوائد کو بھی مدنظر رکھ لیا جائے (۹) جنوب دیہی میں گو ترمیم و اصلاح کی گنجایش ہے لیکن وہ ہرگز سنگین نہیں (۱۰) جمع کی سنگینی قحط یا افلاس کا باعث نہیں۔ نہ اسے قحط کے موجبات سے ایک موجب سمجھا جاسکتا ہے۔

اِن نتائج کے بعد آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ آیندہ جدید بندوبست میں اگر کہیں بہت زیادہ اضافہ ہوگا۔ تو وہ بتدریج عاید کیا جائیگا۔ وصولی معاملہ کے لیئے بہت آسانیان اور نرم شرائط مقرر کیجائینگی۔ اور جہاں کوئی رقبہ بندوبست کے بعد ناقص ہوگیا ہو۔ تو خواہ بند۔ وبست میں شرط نہ ہو۔ معاملہ بالعموم تخفیف کر دیا جایا کریگا

ان آخری تین وعدون کا واجب شکریہ ادا کرکے مندرجہ بالا دس نتائج میں سے صرف چھٹے کی نسبت یہ لکھنے پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ خود انگریزی اخبار مانتے ہیں کہ واقعات اس بیان کی تصدیق نہیں کرتے۔ ہر صوبہ میں بندوبستون کی میعادین بڑھنے کی بجائے بتدریج گھٹتی چلی آئی ہیں۔ باقی میں سے اکثر کی نسبت کئی ہفتے پیشتر وطن مسئلہ مالگذاری کے مضمون میں کافی بحث کر چکا ہے۔ وہ لارڈ کرزن کے اس ریزولیوشن کے مطالعہ کے بعد اُس مضمون کے کسی حصہ کو ترمیم کرنے کی ضرورت نہیں دیکھتا۔ نہ اسکی رائے میں اس فیصلہ سے وطن کی کسی دلیل کو کوئی ضعف پہنچا ہے۔ مگر وہ دلائل خواہ کیسے مضبوط اور واقعات پر مبنی ہون ؎

کون سُنتا ہے کہانی میری ٭ اور وہ بھی زبانی میری

ایک واحد اردو اخبار کی تنہا صدا کیا اثر ڈال سکتی ہے۔ یہ اسی خاموشی کا نتیجہ ہے کہ نہی ہم عصر سول جس کے ایک ایک لفظ پر محاکمہ کرکے بروئے انصاف اسکی تردید یا تائید کیگئی تھی۔ جب سے وہ سلسلہ بند ہوا ہے۔ پھر مختلف عنوان جما کر اپنی سابق تحریرون کا بہ تغیر الفاظ اعادہ کر رہا ہے۔ وطن اِس کے جواب میں اپنی تحریرونکو دُہرانا کسیطرح پسند نہیں کرسکتا۔ لیکن اسکے ساتھ ہی وہ بخوبی جانتا ہے کہ اگر سول کی ان تحریرون پر بھی اہالی ملک بدستور خاموش رہے تو کم از کم زمینداروں کو

اسکا خمیازہ بُری طرح سے بُھگتنا پڑیگا۔ لارڈ کرزن کی رائے معلوم ہوچکی ہے۔ وہ مالک کی نصف آمدنی کو سرکار کا جایز حق سمجھتے ہیں۔ اور لوکل گورنمنٹ رپورٹ کرتی ہے کہ پنجاب اور ممالک متحدہ اودھ میں سرکار اس شرح سے کم معاملہ لے رہی ہو پس بعید از قیاس نہیں کہ سول کی تحریریں گورنمنٹ کو اس مزعومہ کمی کے پورا کرنے پر آمادہ کردیں۔ اِسکا تدارک اسطرح ہوسکتا ہے کہ ہر جگہ کے زمیندار اس مسئلہ پر غور کرکے گورنمنٹ کی خدمت میں مؤدبانہ عرضداشتیں بھیجنا شروع کردیں۔ وطن کی بحث سے ان کو اس معاملہ کے متعلق کافی آگاہی حاصل ہوسکتی ہے۔ اور یہ باخبرو ضرورت فہم محبان ملک کا کام ہے کہ اس مضمون کو ہر ایک گاؤں اور قریہ میں پہنچانے کی کوشش کریں۔ وطن کو اسے رسالہ کی صورت میں اردو ہندی میں چھاپ کر لاگت کی قیمت پر فروخت کرنے سے عذر نہ ہوگا۔ اس صورت میں قیمت فی رسالہ غالبًا آٹھ آنہ سے زیادہ نہ ہوگی۔ ناخواندہ زمینداروں سے خریداری کی خواہش کی امید بالکل فضول ہے۔ وہ اسطرح ان تک پہونچ سکیگا کہ ایک ایک صاحب سو سو پچاس پچاس نسخے خرید کر مختلف دیہات میں بانٹ دیں۔

سرکاری مطالبہ اور زمینداروں کی مقروضیت

"جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے" کے عنوان رکھنے والے مختصر سے نوٹ میں انگریزی ہمعصر سول کے جس اعتراف کا ذکر ٢٠ فروری کے وطن میں کیا گیا تھا اسکی عبارت حسب ذیل ہے:۔

"سال کے آثار آغاز ہی میں بہت تاریک ہیں۔ خریف کی فصل بہت ہی ناقص ہے اور غیر آبپاش علاقوں میں ربیع کی فصل بالکل ندارد رہنے کا یقین ہوچکا ہے یہ دونوں باتیں آبادی کے حصہ کثیر کو لازمی طور پر کسی اور ذریعہ سے روپیہ حاصل کرنے پر مجبور کرینگی۔ جو غلط فہمیاں اور فضول باتیں قانون انتقال اراضی کے محرک ہوئی تھیں۔ ان میں ایک یہ بھی تھی کہ زمیندار روپیہ صرف فضول ضائع کرنے کے لیے قرض لیتا ہے۔ بیشک کسی زمانہ میں فضول خرچی قرض کا بڑا سبب تھی۔ اور ایکا

خفیف حد تک اب بھی ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ اکثر انتقالات کا اصل باعث کسی شادی یا مقدمہ یا دونوں کا خرچ تھا۔ لیکن یہ یقینی امر ہے کہ اگر زمیندار کے پاس کافی رقبہ برائے کاشت ہو تو اُسے قرض لینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ لیکن محالوں کا رقبہ تعقیم در تقسیم سے دن بدن کم ہو رہا ہے۔ چنانچہ پنجاب کے اکثر اضلاع میں ابھی سے یہ حالت ہو گئی ہے کہ جو محال زمینداروں کے قبضہ میں ہیں ان سے صرف اچھے سالوں میں گذارہ کے قابل پیداوار حاصل ہو سکتی ہے۔ جب ایک فصل بھی ناقص ہو۔ چہ جائیکہ دو فصلیں متواتر تو زمیندار کو خوراک اور تخم کے لیئے غلہ قرض لیئے بغیر کوئی چارہ نہیں رہتا۔ اگر وہ پہلے سے مقروض ہے تو اصل اور قرض کے سود در سود کو اسکے حال پر چھوڑ دیا جائیگا۔ جو لازمی طور پر بڑھتا رہیگا کیونکہ وہ اسکی بیباقی یا جزوی ادائیگی کا بندوبست نہیں کر سکتا۔ اور اگر اس حال میں مطالبہ مالیہ کا بھی ہو تو اُسے اس کی ادائیگی کے لیئے پھر نیچ روپیہ قرض اٹھانا پڑیگا۔ مزید برآں چند دیگر اخراجات بھی ناگریز ہیں۔ مقدمہ بازی زمینداری کی لازمی جزو ہو گئی ہے۔ واصل باقی نویس۔ خزانچی پٹواری۔ گرداور۔ اور آفس قانگو کے نذرانے کون زمیندار ہے جو ان سے انکار کرنے کی جرات کر سکتا ہے۔ اُسے مویشی اور اوزار و آلات کیلئے بھی روپیہ درکار ہے۔ ایسی حالت میں وہ قرض سے کسطرح بچ سکتا ہے؟"

اِس اقتباس سے ناظرین کو تصدیق ہو سکتی ہے کہ وطن زمینداروں کے اِفلاس کی جو وجوہات بیان کرتا ہے۔ ان سے یہ ہمعصر بھی اب اتفاق کرتا ہے اور زمیندار کی مقروضی کا اولین باعث آجکل سرکاری مطالبہ کو مانتا ہے۔ مگر ملک کی بدقسمتی۔ وہ دو چار دن ہی کے بعد پھر اپنی قدیم معمولی سوفسطائیانہ منطق سے کام لیکر موجودہ معاملہ کو مبہت سبک بتا کر گورنمنٹ کو اس کے اضافہ کا پُرزور مشورہ دیتا ہے۔ خدا معلوم ہمارے ہمعصر کو آجکل مضامین کی قلت محسوس ہو رہی ہے۔ کہ وہ چبائے ہوئے لقموں کو چند الفاظ کی اُلٹ پھیر کے بعد بار بار اپنے کالموں میں درج کر رہا ہے۔ کوئی نئی دلیل اپنے دعوٹی کی تائید میں پیش نہیں کر سکا اور جب تک وہ ایسا نہ کرے اسکی فرسودہ دلایل کی مکرر تائید فضول ہے۔

مذکرہ صدر نوٹ میں مسٹر ولسن کا بھی حوالہ دیا گیا تھا۔ لارڈ کرزن نے اپنے

رائے جس نے زمینداروں پر ثابت کر دیا ہے کہ اُن کا وردبیدرمان ہے۔ سوائے خدا کے کوئی ان کا دردمند نہیں۔ لوکل گورنمنٹوں کی رائے پہ قایم تھی۔ پنجاب کی گورنمنٹ نے یہ کام مسٹر ولسن کمشنر بندوبست کے سپرد کیا تھا۔ آپ زمینداروں کے بلاشبہ خیرخواہ ہیں۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ہر سرکاری افسر اسی حد تک خیرخواہی کر سکتا ہے۔ جو گورنمنٹ کی پالیسی کے مطابق اور اس کے مطالبات کے استحسان میں ہو۔ ان پابندیوں کی وجہ سے یا اپنی ذاتی رائے ہی کی بنا پر آپ نے اپنی یادداشت میں گرچہ مالگذاری کی پالیسی کی پوری پوری تائید اور مسٹر رومیش چندر دت کے اعتراضات کی تردید کی۔ اور اپنی طرف سے یہ ثابت کر دکھایا کہ گورنمنٹ کے مطالبات چنداں سنگین نہیں۔ تاہم اس مقام پر پہونچکر جہاں سرکار کے روزافزوں مصارف کو پورا کرسکنے کیلئے آمدنی بڑہانے کی بحث آگئی۔ اُنکی طبعی رحمدلی اپنا جلوہ دکھائے بغیر نہ رہسکی۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ "اصل اور سوائے ملاکر اگرچہ پنجاب کے زمیندار ۶۲½ فیصدی خالص پیداوار سرکار کو دے رہے ہیں۔ اور یہ اُن پر کوئی بڑا بوجھ نہیں لیکن اگر اس حصہ کو گھٹاکر ۵۰ فیصدی کر دیا جائے۔ اور باقی رقم بنگال کے متمول صوبہ سے پوری کیجائے یا آبادی کی متمول اور خوشحال جماعتوں سے اب کی نسبت زیادہ محاصل وصول کئے جائیں۔ تو میرے لئے یہ نہایت مسرت بخش امر ہوگا۔ کیونکہ اس سے پنجاب کے زمینداروں کا بوجھ ہلکا ہوجایگا" گو اس مشورہ کے مقبول ہونے کی کوئی وجہ دکھائی نہیں دیتی۔ تاہم کل زمیندار سچے دل سے مسٹر ولسن کے حق میں دعا کرینگے کہ خداوند کریم ان کے ایک سچے خیراندیش کو اُنکے حال پر مہربانی کرتے رہنے کیلئے دیر تک قایم اور ہر طرح سے خوش وخورم رکھے۔

مسٹر موصوف نے بھی اپنے جواب میں جابجا اعداد وشمار اور اوسطوں سے کام لیا ہے۔ لارڈ کرزن کا بھی یہ پسندیدہ اصول ہے۔ مگر الحق یعلو ولا یعلےٰ اعداد وشمار کی بنا پر قایم کردہ اندازوں کے متعلق جو اعتراض شروع سے ڈطن کو چلا آتا ہے۔ حال میں اسکی تائید خود لارڈ کرزن کی زبان سے بھی ہوگئی ہے۔ آسام کے چیف کمشنر مسٹر کاٹن مشہور آزاد مزاج محب ہندیان نے سالانہ رپورٹ میں چار کے باغات کے یورپین مالکوں اور دیسی قلیوں کے تعلقات پر پھر بحث کر کے یورپین مالکوں پر چند اعتراض کئے ایک یہ تھا کہ انکو ایجنٹوں اور ٹھیکہ داروں کی معرفت دوسرے علاقوں سے قلی منگوانے پر

فی قلی صعہ سے لیکر ایکسو روپیہ تک خرچ کرنا پڑتا ہے۔ کل باہر سے آئے ہوئے قلیون کی تعداد ساڑھے چار لاکھ سے اوپر ہے۔ اور ہر سال انکے منگوانے پر مالکان باغات ۳۵ لاکھ روپیہ خرچ کرتے ہیں جسکی کسر قلیون کو کم تنخواہ دینے سے نکالی جاتی ہے۔ اگر تنخواہ زیادہ دیجائے تو قلی خود بخود چلے آئیں اور ۳۵ لاکھ کے خرچ کی ضرورت ہی نہ رہے۔ دوسرا اعتراض یہ تھا کہ قلیون میں پیدائیش کی اوسط بہت کم ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کام زیادہ ہے۔ بوجہ مشقت کام کرنے والی عورتون کے حمل ساقط ہو جاتے ہیں۔ یا بچے پیدا ہو کر فوراً مر جاتے ہیں۔ تیسرا بڑا اعتراض یہ تھا کہ اوسط اموات زیادہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تنخواہ کم ملتی ہے اور قلی اپنی صحت قایم رکھنے کے لئے کافی خرچ نہیں کر سکتے۔ بالآخر یورپین مینجرون کی بدسلوکیونکی شکائیت کی۔ اسوقت تقریباً ساڑھے چھ لاکھ قلی آسام کے باغات چاء میں کام کرتے ہیں۔ اس رپورٹ پر یورپین مالکان باغات نے آسمان کو سر پر اُٹھا لیا۔ اور فوراً ایک عرضداشت وایسرائے کو بھیجی۔ جو تازہ تازہ اُن کے مہمان رہ گئے تھے۔ نواب ممدوح نے حال میں اس عرضداشت کا جواب بھیجا ہے اس میں آپ نے یورپینوں کی کمال دلداری کی ہے۔ کیونکہ گو کہیں کہیں مسٹر کاٹن کے بیانات کی خفیف تائید بھی ہے۔ لیکن بالعموم ہر مسئلہ میں بالکل اختلاف کر کے مسٹر ممدوح کی رائے کو غلط بتایا گیا۔ اسقاط حمل کے متعلق لکھا ہے کہ ان کا باعث مشقت نہیں بلکہ عموماً عمداً اسقاط کرایا جاتا ہے۔ کیونکہ عورت اور مرد قلیون میں عموماً ناجایز تعلق ہو جاتا ہے۔ اسی بحث میں آپ ایک دوسرے اعتراض کے متعلق وہ فقرہ لکھتے ہیں جو ہمارا اصل مقصود ہے۔ آپ مسٹر کاٹن کو نصیحت کرتے ہیں کہ "اس معاملہ میں اعداد اور شمار سے اوسطیں نکالکر اُن پر بھروسہ کرنا ٹھیک نہیں۔ بلکہ شخصی طور پر تحقیقات و دریافت حال کرنا ضروری ہے"۔ جب چھ لاکھ قلیونکی تنخواہ کی اوسط باضابطہ حساب کتاب سے درست نہیں معلوم ہو سکتی۔ اور شخصی تحقیقات کی ضرورت ہے تو ۲۱ کروڑ دہقانی آبادی کی آمدنی و خرچ کی اوسط مسلمہ فرضی اندازون سے کسطرح صحیح طور پر نکل سکتی ہے۔ اور اس معاملہ میں کیون شخصی تحقیقات کو ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ شاید نواب ممدوح اسکی کوئی معقول وجہ رکھتے ہونگے۔

(منقول از وطن مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۰۲ء)

تمام شد

سلطنت و خلافت عظمیٰ عثمانیہ و ممالک و بلاد اسلامیہ کے متعلق چند نہایت دلچسپ و مفید کتابیں

جن کے مطالعہ سے ابنائے ملک بہت فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور جو انمیں قومیت کی سچی تڑپ اور امنگ پیدا کرنیکی غرض سے تالیف کیگئی ہیں مؤلفہ و مترجمہ مولوی محمد انشاء اللہ زمیندار و ایڈیٹر اخبار وطن لاہور۔

بست سالہ عہد حکومت

خلیفۃ المسلمین اعلیٰ حضرت سلطان عبدالحمید خان ثانی الغازی خلد اللہ ملکہ۔ اس نادر کتاب (باتصویر) میں شہنشاہ روم کے عہد حکومت کے سچے حالات بڑی وضاحت اور عمدگی سے درج کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب بوجہ عام پسند اور دلچسپ ہونیکے کئی دفعہ چھپ کر ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو چکی ہے۔ ہر بار دربار سلطانی سے والا نسبت انگلستان کی ایک شہزادی کی کتاب سے لگ گئے ہیں۔ اُردو زبان کی کتابوں میں اسبات کا فخر صرف یہی کتاب کر سکتی ہے کہ اسے حضرت شہنشاہی نے اسکا ترکی میں ترجمہ کئے جانیکا ایما فرمایا۔ اس کتاب کو ۱۸۷۶ء سے ۱۹۰۱ء تک بیس سال کے زمانہ کیلئے تمام اسلامی ممالک اور نیز اسلامی دنیا اور دیگر دول دہر یعنی یورپین افریقن ایشیا کے باہمی تعلقات کی مفصل و کمال دلچسپ تاریخ سمجھنا چاہیے۔ تنازعہ ٹرانسوال کے ابتدائی حالات بھی اس میں موجود ہیں۔ حجم ۲۰۰ صفحے قیمت فی جلد ۔ ۱۲/

محاربات پلیونا اور جنگ روم و روس

یہ کتاب ایک انگریز نوجوان نے جو ۱۸۷۷ء میں بطور والنٹیر عساکر عثمانیہ میں داخل ہو کر غازی عثمان پاشا شیر پلیونا کے ماتحت پلیونا کے قیامت تک یاد رہنے والے قیامت خیز معرکوں میں شریک تھا ۱۸۹۵ء میں بزبان انگریزی تحریر کی تھی۔ اس کتاب کا ترجمہ ابنائے ملک کو ان معرکوں کے مفصل حالات سے آگاہ کرنے کیلئے اردو زبان میں کیا گیا ہے اور حسب ضرورت جابجا حواشی بھی شامل کر دیئے گئے ہیں۔ مزید برآں پلیونا کی چاروں محاربوں کے واضح نقشے بھی دیدیئے گئے ہیں۔ فوجی صاحبان کو اس کتاب کا مطالعہ اپنے پروفیشن اور فوجی علوم و فنون میں کامل مہارت حاصل کرنیکے لئے نہایت مفید ثابت ہوگا۔ چنانچہ انگریزی کتاب کو اس لحاظ سے فوجی مبصرین نے قابل سند قرار دیا ہے اور یہی رائے چند دن ہوئے اخبار پاؤنیر نے ظاہر کی تھی۔ عام شائقین کو اسکے مطالعہ سے جدال و قتال اور فن معرکہ آرائی کے موجودہ اصول و فروع اور طریق مدافعت و خندق کشی وغیرہم کے متعلق عام واقفیت ہوگی جو انہیں عام محاربوں کے حالات اور جنگی خبروں کے سمجھنے میں بہت مدد دیگی۔ محاربات تھسلی کی نسبت بھی جو تاریخی لحاظ سے نہایت دلچسپ معلومات دینگے علاوہ ایک اعلیٰ پایہ کے جرمن فوجی افسر کی تحریر پر بھی مشتمل ہے یہ ریمارک بالکل درست ثابت ہوتے ہیں۔ کتاب کے تین حصے ہیں۔ اس کے دوسرے ایڈیشن میں

مفصل فہرست ایک آنہ کا ٹکٹ بھیجکر منگوا سکتے ہیں

غازی عثمان پاشا مرحوم کی وفات حسرت آیات قومی و ملکی خدمات اور حالات زندگی کی مختصر کیفیت بھی معہ تصاویر کے ایزاد کر دیگئی ہے۔ نیز غازی مرحوم کے نائب مارشل طاہر پاشا کی مکمل سوانح عمری معہ تصویر اس ایزادی سے کتاب میں تصویروں کے علاوہ ساٹھ صفحے کے قریب مضمون زیادہ ہوگیا ہے قیمت وہی رکھی گئی ہے۔ جو پہلے ایڈیشن کی تھی۔ یعنی فی حصہ عصہ ہے۔

ایضاً بزبان انگریزی للعہ روپیہ

محاربات تھسلی
یعنے مکمل تاریخ جنگ روم و یونان سنہ ۱۸۹۷ء

اس میں ایک جرمن سٹاف افسر کی تاریخ کا زلزلہ روم و یونان اور ترکوں کے مشہور خیر خواہ اور صادق دوست سر ایشمیڈ بارٹلٹ صاحب ممبر پارلیمنٹ انگلستان کی کتاب معرکہ ہائے تھسلی کا پورا ترجمہ دینے کے علاوہ مؤلف نے جابجا اپنی ذاتی واقفیت سے حاشی اور ضمیمے ایزاد کر دیئے ہیں۔ اور کئی اور مضمون بھی جو محاربات سے متعلق تھے۔ شرح و بسط کے ساتھ شامل کر دئے گئے ہیں مضمون ایسا سلسل اور سلیس ہے کہ پڑھنے والا میدان جنگ کا سماں دیکھ رہا ہے۔ ترکی پاشاؤں اور جلیل القدر افسروں کی تصویریں اور متعدد نقشے بھی کتاب میں درج کر دئے گئے ہیں۔ سنہ ۱۸۹۷ء کے محاربات سوڈان اور مصر اور سنہ ۱۸۹۷ء کے آفریدی و دیگر سرحدی محاربات تیراہ و مہمند وغیرہ کا حال بھی ضمناً لکھا گیا ہے حجم ایک ہزار صفحہ۔ کتاب کے تین حصے ہیں

قیمت فی حصہ .. .. .. عصہ ر

حالات استنبول و قسطنطنیہ کے
اس کتاب میں اسلامی دار الخلافہ کی گزشتہ تاریخ دینے کے بعد شہر کی موجودہ کیفیت وہاں کی پبلک عمارات اور شاہی محلات دلفریب سینری اور منظر اور ترکوں کی موجودہ طرز معاشرت و خلقی اوصاف اور سلطان المعظم کے شاہانہ درباروں اور محاسن حمیدہ و علم پروری و خوش اخلاقی مہمان نوازی وغیرہ اوصاف جمیلہ و حمیدہ کا بالتفصیل ذکر کیا گیا ہے اور ضمناً آرمینیوں کی طبعی خباثت بھی واضح کر دیگئی ہے اس کتاب میں انگلستان کے مشہور سیاح اور مورخ مسٹر سورین کرافورڈ اور لیڈی سیکسولیٹن صاحبہ کی کتابوں کا ترجمہ دینے کے علاوہ گبن ایڈمنڈ ایلورہ شرانڈ ور ڈکریسی اور دیگر مستند یورپین اور ترکی مؤرخین کی کتابوں سے مدد لیگئی ہے۔

قیمت فی جلد ایک روپیہ

ترکون کی موجودہ ترقیات اور اسلامی دنیا کا فوٹو
اس کتاب کا مضمون اسکے نام سے ظاہر ہو رہا ہے وہ دور راستی پسند صداقت شعار انگریز و چند زندہ اسلامی سیاحوں اور خود مؤلف کی مختلف تحریروں کا مجموعہ ہے۔ اس میں اُن مزید ملکی اور انتظامی اصلاحوں اور ترقیوں و مآثر و محاسن حمیدیہ کی توضیح کرنے کے سلسلہ ہی جن کا مندرجہ بالا کتب میں ذکر نہیں ہوا۔ ان ترقیوں کو بالتخصیص بیان کیا گیا ہے۔ جو عثمانیہ ترک

من حیث القوم کر رہے ہیں۔ مسٹر ووٹ میں نخریوں کا سچا فوٹو دے کر اُن کے اوصافِ جمیلہ کا منصفانہ اعتراف کیا ہے اور بدلائل قطعی ثابت کر دیا ہے کہ مفسدہ آرمینیا کے متعلق یورپین مفتریوں کی بہتان محض بے بنیاد تھی پھر اس کے واقعی حالات بتا کر ذاتی تجربہ کی بنیاد پر لکھا ہے کہ اکثر ترکی عہدہ دار نہایت باخبر اور قابل ہیں۔ اور کہ ترک معقول ترقی کر رہے ہیں اسی ضمن میں مارشل شاکر پاشا مرحوم کے مضامین دربارہ "بغداد حجاز ریلوے" اور دیگر مضامین بھی مدرج کر دئے گئے ہیں۔ مسٹر کو کران نے سلطنت کے تقریباً تمام عجائبات قسطنطنیہ کی پرانی تاریخ اور موجودہ حالت بیان کرنے کے بعد تجارت و صنعت۔ علم و فن زراعت۔ الغرض لوازمات تمدن و شائستگی کی ہر شعبہ و صیغہ میں ملک کی قابلِ تعریف مسلسل ترقی کا ایسے دلچسپ پیرایہ میں ذکر کیا ہے کہ گویا پڑھنے والا ملک میں موجود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہا ہے اور خود ان صنعتوں وغیرہ کی ایسی عمدہ توضیح کی ہے کہ ازدیادِ علم اور رومانی تفریح کے علاوہ اس کا مطالعہ بے اندازہ عملی فائدہ سے بھی خالی نہیں۔ ان دونوں مصنّفوں کی کتابوں کا ترجمہ مع حواشی متعدد درج کر کے ساتھ ہی اس کتاب میں چین مجمع الجزائر۔ حجاز۔ نجد۔ ایران افریقہ کے مختلف حصص الغرض دنیا کے کل ممالک کے مسلمانوں کی موجودہ اور گذشتہ حالت کی مکمل تاریخ دیگئی ہے جس سے فی الحقیقت وہ قوم اسلام کہلانے کی مستحق ہو سکتی ہے مزید برآں تعلیمی مسئلہ ممالکِ غیر میں نو آبادیاں و تجارتی سلسلہ قائم کرنے اور قوم کی ترقی کے دیگر وسائل متنوعہ پر سر سید مرحوم اور کئی فاضل ترکوں کی آرائے درج کر کے جامع بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ تاریخی جغرافی صنعتی۔ تجارتی۔ قومی۔ ہر لحاظ سے نہایت مفید ثابت ہوگا۔ ان جملہ مضامین پر حاوی ہونے کے علاوہ ۱۸۹۷ء سے ۱۹۰۱ء تک چار برسوں کی مکمل تاریخ اسلامی دنیا بالخصوص سلطنتِ عثمانیہ کی ہے اس میں کئی عمارات ذی شان اور سلطنتِ عثمانیہ کے چند سربرآوردہ زندہ و فوت شدہ مدبرین اور اعیانِ دولت کی تصویریں بھی دیدی گئی ہیں۔ دو حصّوں میں ان خوبیوں اور ضخامت کتاب کے مقابلہ پر قیمت بہت کم ہے۔ فی حصّہ دو روپیہ

تاریخ مراکو و مغرب الاقصیٰ اس کتاب میں اسلامی دنیا کے مغربی حصنِ حصین کی جس کے متعلق اب تک اردو میں کوئی کتاب موجود نہیں ہے۔ ابتدائی زمانے سے لے کر اس وقت تک کی سلسلہ وار مفصّل تاریخ کے علاوہ موجودہ پولیٹیکل تمدّنی اور ملکی اور جغرافی کیفیت مشرح درج کی گئی ہے اور ساتھ ہی تمام عرب و یورپین مؤرّخین اور ان کی تصنیفات کی جامع فہرست مع مختصر سوانح عمریوں کے اضافہ کی گئی ہے۔ تین حصّوں میں قیمت فی حصّہ ایک روپیہ پانچ آنہ ۱/۵

فیوچر آف اسلام یعنی اسلام کی آئندہ حالت یہ کتاب انگلستان کے مشہور ادیب مسٹر ولفرڈ بلنٹ کی ہے جو اکثر بلادِ اسلامی اور ہندوستان کی سیاحت کر چکے ہیں اور یورپین

سے بالاستقلال مصر میں رہائش پذیر ہیں تحریر کی ہے اس کا مضمون اسکے نام سے ظاہر ہو رہا ہے اسکا مطالعہ مسلمانوں کے حق میں کئی لحاظ سے فائدہ بخش ہو سکتا ہے مصنّف کی بعض بعض قابلِ اعتراض خیالات و آراء کی مناسب تردید کیگئی ہے قیمت .. (عللہ)
انگریزی میں اسکی قیمت سات روپئے ہے۔

ترکی زبان سیکھنے کی کتاب اس کے مطالعہ سے ہر شخص جو تھوڑی بہت لیاقت عربی میں رکھتا ہو۔ ترکی زبان تھوڑے عرصہ میں بآسانی سیکھ سکتا ہے مطبوعہ استنبول قیمت چھ روپے

کوہ قاف کی جمال دوشیزہ جس میں محاربہ روم و یونان کی ایک واقعی سرگذشت ناول کے پیرایہ میں بیان کی گئی ہے یہ کتاب عربی سے سلیس اردو میں ترجمہ ہوئی ہے قیمت بارہ آنے (۱۲؍)

واقعاتِ روم۔ سلطنتِ عظمیٰ عثمانیہ ترکیہ کا مفصل بیان اور اُس کی موجودہ ترقیوں کی اجمال کیفیت جسے مولوی محمد انشاء اللہ نے ایک امریکن منصف مزاج کی تازہ تالیف سے بجواشی اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ قیمت ۱۲؍

نقشہ جات حجاز ریلوے کے ممالک عثمانیہ کی جاری و زیرِ تعمیر و مجوزہ لائنوں کے رنگین نقشے بزبان اردو حمیدیہ ایجنسی لاہور نے خاص اہتمام و کثیر خرچ اٹھا کر ایسی عمدگی سے تیار کرائے ہیں کہ جسنے دیکھے تعریف کی۔ ملک کے تقریباً تمام اخبارات نے نہایت عمدہ رائے ظاہر کی ہے۔ یہی وہ نقشے ہیں جن کا انتظار فدایانِ ملت مہینوں سے کر رہے تھے یورپین و ایشیائی ٹرکی اور حجاز ریلوے کے مقدس خطہ کا کوئی قابلِ ذکر شہر۔ قصبہ۔ قریہ۔ دریا۔ پہاڑ یا تحصیل یا مجوزہ لائنوں کا کوئی سٹیشن ایسا نہیں جو اس میں درج نہ ہو۔ بصرہ بغداد قونیہ لائن کا راستہ بھی دکھا دیا گیا ہے قیمت فی سٹ سادہ ۱۲؍ روغنی و لدار ایک روپیہ ۱۲؍ جلد منگوا لینے چاہیئے۔

ہاجرہ ایک ترکی خانم کے اسی نام کے دلفریب انگریزی ناول کا دلچسپ ترجمہ ہے آنریبل مسٹر جسٹس امیر علی صاحب جج ہائیکورٹ کلکتہ نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں ہر شخص کو اس کے پڑھنے کی ہدایت فرمائی تھی حجم تین سو صفحے کے قریب ہے یہ ناول کیا ہے ترکی سوشل و مارل حالات کی سچی تصویر اور پاک محبت کا فوٹو ہے۔ عہ

اقصائے مغرب کے جس میں الجزائر کے آخری تین سو برس کے تاریخی واقعات سے بربری غارتگری کی اصلیت خاندان باربروسہ کپتان خیر الدین وغیرہ کے عروج کا تفصیلی کارنامے۔ ترکوں کا جزائر بحری اقتدار اور بحرِ روم کی سہ صد سالہ حکومت عربی ترکی انگریزی۔ تاریخوں کا لب لباب اور اسپین کے جلاوطن مسلمانوں کا جوش انتقام اور ساحل سپین پر ترکتازیاں الجزائر اور ٹیونس کا آلِ عثمان کے ظلِ حمایت میں آنا دول یورپ کا حدودِ بربریہ پر حاسدانہ جہاد کرکے

منہزم ہونا۔ الجزائر۔ پیسین کا جہاد۔ پیریوپیا اور لیلنو کے مشہور معرکے حجم قریباً تین سو صفحے نہایت خوشخط جس میں بہت سے عمدہ نقشنجات بھی شامل ہیں۔ قیمت ایک روپیہ (عہ/)

محاربات مصر و سوڈان کی داستان

مصر اور سوڈان کے واقعات کے متعلق یہ سب سے پہلی کتاب ہے جس میں سلطنت ٹرکی اور مصر کے باہمی تعلقات۔ مصر میں انگریزی مداخلت کے اسباب عربی پاشا کی بغاوت مہدی کی پیدائش۔ اور ترقی۔ مہدی کے مقابلے میں انگریزی اور مصری فوج کی متواتر ناکامیابی۔ مہدی کا خرطوم کو فتح کرنا قتل جنرل گارڈن۔ انخلا سوڈان۔ انگریزی افسروں اور درویشوں کی دلچسپ خط و کتابت سرکاری تحریرات کا خلاصہ مصری فوج کی انسر نو تیاری و کامیابی جنگ ام درمان۔ فتح سوڈان فشوداو گارڈن کالج خرطوم عہدنامہ مصر و انگلستان بابت موجودہ حکومت سوڈان وغیرہ ضروری حالات درج ہیں اور مشاہیر مصر و سوڈان اور تمام لڑائیوں اور مختلف دلچسپ منظروں کی ۲۸ صحیح تصاویر اور نقشنجات شامل ہیں شمس العلما خان بہادر منشی ذکاءاللہ صاحب و شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب و خواجہ الطاف حسین صاحب حالی کے ریویو جو ساتھ شامل ہیں۔ ان سے اس کی عمدگی کا بخوبی اندازہ ہو سکے گا۔

قیمت ایک روپیہ چار آنہ

عقل کل یا جامع الفنون و المعلومات

مؤلفہ ماسٹر محمد جلال الدین صاحب مرادآبادی

عقل کل اردو میں ایک جامع انسائیکلوپیڈیا ہے دعویٰ ہے کہ کوئی فن پیشہ صنعت و دستکاری ایسی نہ ہوگی۔ جو اس میں نہ ملے عقل کل ۱۸۹۶ء سے شائع ہوئی۔ لہذا ہر دستکتب میں غالباً سب سے پہلی کتاب ہے۔ عقل کل مکمل ہو کر چار ہزار صفحہ کی کتاب ہے۔ عقل کل کا اندازہ دس ہزار صنعتوں اور معلومات کا خزانہ ہے۔ عقل کل صدہا تصاویر و نقشوں سے اول تا آخر پر ہے۔ عقل کل میں مجرب اور سہل الوصول ترکیبیں آسانی سے سکھلائی ہیں۔ عقل کل کی بعض جلدیں طبع چہارم تک پہنچی ہیں۔ اس سے مقبولیت ظاہر ہے۔ عقل کل ہی ملک میں صنعت و حرفت و تجارت کی روح پھونکنے والی ہے۔ عقل کل سے کوئی میز اور کوئی کتب خانہ خالی رہنا تعجب کی بات ہے۔ عقل کل ہر مغز لڑکے کے ہاتھ میں رہنا چاہیئے۔ تاکہ وہ تھوڑی مدت میں ہزارہا فنون اور معلومات سے آگاہی پا کر ہر سوسائٹی میں ہردلعزیز بنے۔ عقل کل سے بہتر انعام کے لئے اور تحفے کی کتاب مشکل سے ملیگی۔ عقل کل کے ذریعہ صدہا بیکار لوگ آسانی سے روزی پیدا کر سکتے ہیں۔ عقل کل کے سلسلے کی ۱۴ جلدیں بالفعل تیار موجود ہیں۔ تشکو صنعت عہ غنچہ حرفت۔ گلدستہ حرفت۔ گلزار صنعت۔ بستان حرفت گلستان صنعت۔ سیر افلاک۔ زندہ جادو۔ زندہ طلسمات جامع المعلومات۔ ذخیرہ معلومات۔ گنجینہ معلومات گلستان حرفت۔ قیمت فی جلد عہ مجموعہ صہ منیجر عقل کل لاہور

مطبوعہ حمیدیہ پریس لاہور